طلبہ درجہ سادسہ جامعہ صمدیہ کے مقالات کا حسین گلدستہ

مقالاتِ جامعہ صمدیہ

بموقع دستارِ عالمیت ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء

ناشر
طلبۂ درجۂ سادسہ (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵)
جامعۂ صمدیہ دارالخیر
پھپھوند شریف ضلع اوریا، یوپی

طلبہ درجہ سادسہ جامعہ صمدیہ کے مقالات کا حسین گل دستہ

مقالاتِ جامعہ صمدیہ

بموقع دستارِ عالمیت ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء

ناشر

طلبہ درجہ سادسہ (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵)

جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

کتاب: مقالاتِ جامعہ صمدیہ

مقالات: طلبہ درجہ سادسہ (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء) جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

صفحات: 192

تصحیح: اساتذہ جامعہ صمدیہ

کمپوزنگ: مولانا محمد ظفر اقبال صاحب فتح پوری

اشاعت: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ/مارچ ۲۰۱۵ء

تعداد اشاعت: 1100

Publisher

MAKTABA SAMADIA

Jama Masjid Astana Alia Samadia

Phaphund Shareef Auraiya Up

Distributer

JAMIA SAMADIA

Phaphund Shareef Auriya UP

Ph.05683-240162

E-mail:jamiasamadia@gmail.com

فہرست مقالات

☆☆☆

بفیضِ روحانی

سند المحققین سید المفسرین، اعلم العلماء، صدر مجلس علمائے اہل سنت حافظ کلام باری و بخاری
حضرت علامہ سید شاہ خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی رضی اللہ عنہ
(ولادت ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء۔ وصال ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء)

☆☆☆☆☆

رئیس الفقہاء، محبوب رب ذوالمنن، خواجہ بندہ نواز
سید شاہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(ولادت ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء وصال ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۵ء)

☆☆☆☆☆

سید المتوکلین، امام الکاملین، فرد الوقت، اکبر المشائخ، حضرت علامہ
الحاج سید شاہ محمد اکبر میاں چشتی رضی اللہ عنہ
بانی جامعہ صمدیہ دار الخیر پھپھوند، ضلع اوریا یوپی
(ولادت ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء وصال ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸)

انتساب

ریاض رسول انام
۱۳۹۹ھ

جامعہ صمدیہ دار الخیر پھپھوند شریف

کے نام

جس کی آغوش تربیت میں پروان چڑھ کر ہم اس خدمت کے لائق ہوئے

منجانب
طلبہ درجہ سادسہ (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء)
جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

تقریظ جلیل

مخدوم گرامی مرتبت مفکرِ قوم وملت حضرت علامہ الحاج سید محمد انور چشتی دام ظلہ العالی

سربراہِ اعلیٰ جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف

مرشد طریقت، آقائے نعمت، اکبر المشائخ حضرت علامہ الحاج سید شاہ محمد اکبر میاں چشتی رضی اللہ عنہ نے پھپھوند شریف کی سرزمین پر ۱۳۹۹ھ میں ایک دینی تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کا نام اعلم العلما حافظ بخاری خواجہ سید عبد الصمد چشتی رضی اللہ عنہ صدر مجلس علمائے اہل سنت کی نسبت سے جامعہ صمدیہ تجویز ہوا۔ والد گرامی حضور اکبر المشائخ نے ادارے کے قیام کے بعد ہی سے انتظام وانصرام کی ساری ذمے داریاں میرے ذمے کردیں۔ ان ہی کی نگاہِ کرم سے آج تک ادارے کی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں ہوں۔ جب تک آپ باحیات رہے ادارے کی سرپرستی ونگرانی فرماتے رہے اور ادارے کی ترقیوں پر خوشی کا اظہار فرماتے رہے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے روحانی فیوض وبرکات سے جامعہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔

جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف میں اس وقت متعدد شعبے سرگرم عمل ہیں، طلبہ کی بہتر تعلیم وتربیت کے لیے باصلاحیت اساتذہ کی ایک جماعت موجود ہے جو شب وروز ان کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ درسیات کے ساتھ طلبہ کو تحریر وتقریر کا ہنر بھی سکھایا جاتا ہے تاکہ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ دیگر تمام صلاحیتوں کے ساتھ تحریر وتقریر کے میدان میں بھی خاطر خواہ دسترس حاصل کرسکیں، اور دین کی تبلیغ واشاعت نیز مذہب ومسلک کے تحفظ کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کرسکیں، کیوں کہ تحریر وقلم اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ تبلیغِ دین کا کام وسیع پیمانے پر انجام دیا جاسکتا ہے اور اس کے دوررس اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔

تحریر کی ترغیب وتمرین کے لیے جامعہ میں ہر سال تحریری مسابقہ کا پروگرام منعقد ہوتا ہے جس میں طلبہ حصہ لے کر اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مسابقے میں باہر سے آئے ہوئے فیصل حضرات طلبہ کی تحریروں کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ سلسلہ کئی سالوں سے پوری پابندی کے ساتھ جاری ہے، سال رواں (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء) کے درجہ سادسہ کے طلبہ نے سند المحدثین اعلم العلماء حافظ کلام باری وصحیح بخاری حضور خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس اور جشنِ دستار بندی کے موقع پر اپنے مقالات کو کتابی شکل دے کر اشاعت کا منصوبہ بنایا ہے جو نہایت خوش آئند ہے۔ اس مجموعہ مقالات کا نام ''مقالات جامعہ صمدیہ'' منتخب کیا گیا ہے۔

''مقالاتِ جامعہ صمدیہ'' مختلف موضوعات پر ۲۷ر عمدہ تحریروں کا مجموعہ ہے، جن کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ طلبہ نے ان مقالات کی تیاری میں کافی محنت ومشقت سے کام لیا ہے۔ موضوعات کے انتخاب میں بھی تنوع ہے۔ اسلامیات، سیرت، سوانح، اصلاح، موعظت کے ساتھ کئی تحقیقی مقالے بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔ جامعہ صمدیہ کے طلبہ کی اس پیش رفت پر مجھے دلی مسرت ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ طلبہ میں لکھنے پڑھنے کی مزید تحریک اور جذبہ پیدا فرمائے اور مستقبل میں یوں ہی اچھے کاموں کی توفیق بخشے اور علمی وقلمی صلاحیتوں سے نوازے۔ **آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔**

سید محمد انور چشتی
خادم جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف

۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶
۲۷ر فروری ۲۰۱۵ء جمعہ مبارکہ

کلمات تحسین

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ العالی
شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف اوریا یوپی

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف مرشد طریقت ، امام الکاملین سید المتوکلین ، اکبر المشائخ حضرت علامہ الحاج سید محمد اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار اور ان کے فیوض و برکات کا مظہر ہے۔ ۱۳۹۹ھ میں جامعہ کی بنیاد آپ ہی کے دست اقدس سے رکھی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور بانی جامعہ کے روحانی فیوض و برکات سے جامعہ نے مختصر سے عرصے میں تعلیمی اور تعمیری دونوں اعتبار سے بے پناہ ترقی کی ہے۔ جامعہ کے سربراہ اعلیٰ مخدوم گرامی مرتبت مفکر قوم وملت حضرت علامہ الحاج سید محمد انور میاں چشتی دام ظلہ العالی کی شبانہ روز محنتوں اور مخلصانہ کوششوں سے درسِ نظامی اور حفظ وقراءت کے علاوہ تربیت افتا کا شعبہ بھی نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

جامعہ میں عمدہ تعلیمی نظم ونسق کا اہتمام کیا گیا ہے، کوشش یہ ہوتی ہے کہ طلبہ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ عمدہ تربیت سے بھی آراستہ ہوں تاکہ جامعہ سے فارغ ہونے کے بعد دین کی خدمت کا کام عمدہ طریقے سے انجام دے سکیں۔ دینی علوم کی تحصیل کا اہم مقصد دین کی دعوت وتبلیغ ہے اس لیے جو طلبہ مدارس سے فارغ ہوں ان کے لیے درسیات پر عبور کے ساتھ ساتھ تحریر وتقریر میں بھی کمال حاصل کرنا ضروری ہوا کرتا ہے، کیوں کہ موجودہ زمانے میں تبلیغ دین کے یہ دو اہم ذرائع ہیں۔ جامعہ میں طلبہ کی تحریری مشق وممارست کے لیے ہفت روزہ جداریے نکالے جاتے ہیں جب کہ تقریری مشق کے لیے مشقی بزم بھی منعقد ہوتی ہیں۔

جامعہ میں طلبہ کے اندر مسابقاتی جذبہ پیدا کرنے کے لیے تقریباً ایک دہائی سے ہر سال تحریری وتقریری مسابقہ کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں طلبہ ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیتے ہیں، مسابقے میں فیصل کے طور پر ماہرین فن کو مدعو کیا جاتا ہے جو طلبہ کے خطابات اور مقالات کا جائزہ لیتے ہیں۔ دس سال کے عرصے میں طلبہ نے سیکڑوں مقالات لکھے، جو جامعہ کے ریکارڈ میں محفوظ

ہیں۔

امسال درجہ سادسہ کے طلبہ نے اپنی دستار عالمیت کے موقع پر اپنے لکھے ہوئے مقالات کی اشاعت کا منصوبہ بنایا، جو بڑی مسرت کی بات ہے۔ طلبہ کے لکھے ہوئے ۲۷/ مقالات اس مجموعے میں شامل ہیں۔ ان مقالات میں طلبہ نے اپنی بساط کے مطابق مافی الضمیر کو قارئین تک پہنچانے کی اچھی کوشش کی ہے۔ زمانہ طالب علمی میں اس طرح کے کاموں کے لیے اپنے اندر حوصلہ پیدا کرنا بڑی بات ہے۔

طالب علمی کا زمانہ مشق وممارست کا ہوتا ہے، یہ طلبہ تحریر وقلم کے میدان میں نووارد اور نو آموز ہیں، پھر بھی عہدِ طالب علمی ہی میں مقالے تحریر کرنا اور ان کی اشاعت کا حوصلہ کرنا یقیناً ان طلبہ کے خوش آئند مستقبل کا غماز ہے۔

اس مجموعہ مقالات کی اشاعت پر درجہ سادسہ کے تمام طلبہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ ان کی یہ کوشش شرفِ قبولیت حاصل کرے اور ان کے علم ،عمر اور اقبال میں بے پناہ برکتیں پیدا ہوں، آمین **بجاہ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین .**

محمد انفاس الحسن چشتی غفرلہ
خادم الطلبہ جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف

۱۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
۲/مارچ ۲۰۱۵ء دوشنبہ مبارکہ

تقدیم

حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی

استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

تحریر وقلم کی حکمرانی ہر دور میں رہی ہے۔میڈیا کے اس دور میں اس کی اہمیت وافادیت مزید دوبالا ہوگئی ہے۔عصرِ حاضر میں اپنے افکار ونظریات کی ترسیل وابلاغ کے لیے سب سے مؤثر ذریعہ تحریر ہے۔مغربی قومیں میڈیا کے سہارے اپنی تہذیب وثقافت کو پوری دنیا پر مسلط کر نے میں کامیاب ہوچکی ہیں، عالمی سطح پر پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے تمام شعبوں میں ان کا غاصبانہ تسلط ہے۔کسی بھی نقطہ نظر کو فروغ دینا ان کے لیے کوئی مشکل بات نہیں، صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح بتا کر اس کو منوالینا ان کے لیے حد درجہ آسان ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ پوری دنیا کے لوگوں کو اپنے دامِ فریب میں پھنسا کر اپنی چودھراہٹ قائم کیے ہوئے ہیں۔

میڈیا کے اس دور میں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اسلام کے خلاف کیے جانے والے پروپیگنڈوں کا جواب دینے کے لیے تحریر وقلم پر دسترس ضروری ہے۔المیہ یہ ہے کہ تحریر وقلم سے وابستہ افراد جو صحیح معنوں میں دین کی تبلیغ واشاعت کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور بغیر کسی دنیاوی منفعت کی طمع کیے اپنا خونِ جگر ملتِ بیضا کی آبیاری کے لیے پیش کر رہے ہیں، انہیں حوصلہ افزائی کے کوئی دو بول بولنے والا نہیں ملتا۔نہ جانے کتنے ایسے اربابِ قلم ہیں جن کی تحریریں فائلوں کی زینت صرف اس لیے بنی ہوئی ہیں کہ ان کی اشاعت کے لیے سرمایے کا کوئی انتظام نہیں، بے چارے غریب مصنف کا حال کوئی پوچھنے والا نہیں۔دوسری جانب افراط کا عالم یہ ہے کہ مذہب کے نام پر، مسلک کے نام پر، جذباتی نعروں کے نام پر، اعراس کے نام پر، شخصیات کے اعزاز کے نام پر ہماری قوم کے خزانے کھلے ہوئے ہیں۔کہیں پانچ لاکھ میں اسٹیج تیار ہورہا ہے ،تو کہیں چالیس پچاس لاکھ کے بجٹ کی کانفرنس منعقد ہورہی ہے۔ان کانفرنسوں میں شرکت فر مانے والے کرایے کے خطبا رات بھر سادہ لوح سامعین کے جذبات کا استحصال کرتے ہیں اور پھر دوسری کانفرنس کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں۔ملت کے حقیقی مسائل سے روگردانی کر کے ان ہی

موضوعات پر خطاب کو ترجیح دی جاتی ہے جو وقتی طور پر واہ واہی حاصل کرنے کا ذریعہ اور جذبات کو برانگیختہ کرنے والے ہوں۔

ماضی قریب میں ہمارے سیکڑوں علما اور بزرگانِ دین ایسے گزرے جو صحیح معنوں میں ملتِ اسلامیہ کے حقیقی مسائل کا ادراک رکھتے تھے، انہوں نے پوری زندگی مسلمانوں کے عقائد واعمال کے تحفظ کے لیے جدوجہد کی، اپنی سیکڑوں تصانیف کے ذریعہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا، جن کی تصانیف آج معیارِ حق قرار پاتی ہیں، ہماری قوم نے ان کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا، ان کے نام پر جلسے اور کانفرنسیں تو خوب منعقد کیں لیکن ان کی تصانیف کی طباعت واشاعت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ملت کے زمینی مسائل پر توجہ دی جائے اور باطل قوتوں کا مقابلہ ایسے طریقوں سے کیا جائے جو مؤثر ہونے کے ساتھ ساتھ دیرپا بھی ہوں، جذبات کی رو میں بہہ کر نعرے لگالینا مسائل کا حل نہیں ہے۔آج عالمی سطح پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک تحریک چل رہی ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کا غلط تعارف ہے۔مخالفین اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے دیگر ذرائع کے ساتھ لٹریچر کا بھی وسیع پیمانے پر استعمال کر رہے ہیں، ہمیں بھی ایسا لٹریچر تیار کرنا ہوگا جس کے ذریعہ اسلام کے تعلق سے پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کرسکیں۔

مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ مستقبل میں ہمارے قائد ہوں گے ان کے کاندھوں پر دین کی تبلیغ واشاعت کا بارِ عظیم آنے والا ہے اس لیے انہیں حالات کے تقاضوں کے مطابق تیار کرنا ضروری ہے، عصری تقاضوں سے صرف نظر کر کے حالات کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔طلبہ کی ذہنی وفکری تربیت بھی ضروری ہے، انہیں صالح لٹریچر کے مطالعہ اور خود عمدہ لٹریچر تیار کر نے کے قابل بنانا اہلِ مدارس کی ذمے داری ہے۔

الحمدللہ! جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف میں طلبہ کی تعلیم کے ساتھ ان کی ذہنی، فکری اور عملی تربیت پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔جامعہ صمدیہ اعلم العلما صدر مجلس علمائے اہل سنت حافظ بخاری خواجہ سید عبد الصمد چشتی رضی اللہ عنہ کے نامِ نامی سے منسوب ہے۔ادارے کے بانی سید المتوکلین اکبر المشائخ حضرت علامہ الحاج سید محمد اکبر میاں چشتی رضی اللہ عنہ ہیں۔۱۳۹۹ھ میں

ادارے کی بنیاد رکھی گئی اور باضابطہ تعلیم کا آغاز ہوا، مختصر سے عرصے میں جامعہ نے بڑی حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ دراصل جامعہ اِنہی جلیل القدر نفوسِ قدسیہ کے روحانی فیوض و برکات کے سایے میں پروان چڑھ رہا ہے۔

بانی ادارہ حضور اکبرالمشائخ رضی اللہ عنہ نے ادارے کے قیام کے بعد ہی سے اس کی تعمیر وترقی کی ساری ذمے داریاں اپنے صاحب زادے مفکر قوم وملت حضرت علامہ الحاج سید محمد انور میاں دام ظلہ العالی کے سپرد کردی تھیں، حضور اکبرالمشائخ کی جوہر شناس نظریں اپنے فرزند عزیز کی صلاحیتوں کو دیکھ رہی تھیں اور انہیں معلوم تھا کہ حضرت سید انور میاں صاحب قبلہ کی مخلصانہ کوششوں سے جامعہ ایک دن ترقی کے اوج ثریا پر ہوگا۔ جامعہ صمدیہ اپنے قیام سے اب تک آپ کی نظامت وسربراہی میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ حفظ وقراءت، اعدادیہ تا فضلیت نیز افتا کی تعلیم کا معقول انتظام ہے۔ تین منزلہ وسیع وعریض بلڈنگ کی تعمیر تکمیل کے قریب ہے، ڈائننگ ہال کی تعمیر کا کام چل رہا ہے، دارالاقامہ کی تعمیر کے لیے جدوجہد جاری ہے، جدید طرز کی تاج الفحول لائبریری تعمیر ہو چکی ہے، خواجہ بندہ نواز سیمینار ہال کئی سال پہلے ہی تیار ہو چکا ہے، یہ ساری سرگرمیاں آپ ہی کی کوششوں سے جاری ہیں۔ اللہ آپ کو عمر دراز عطا فرمائے، امین۔

جامعہ صمدیہ کے صدر المدرسین حضرت علامہ الحاج مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ العالی زبردست عالم ومفتی ہونے کے ساتھ تقویٰ وطہارت میں بھی اعلیٰ درجے پر فائز ہیں، آپ ایک بافیض استاذ اور مربی ہیں۔ آپ کی صدارت میں جامعہ کا تعلیمی معیار بلند ہوتا جا رہا ہے، آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت کے لیے بھی جدوجہد فرمایا کرتے ہیں، اپنی قیمتی نصیحتوں کے ذریعہ طلبہ کو ان کی ذمے داریوں کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ ان کی عملی زندگی میں بھی انقلاب پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، آپ جامعہ میں طلبہ واساتذہ کے لیے ایک آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زیر نظر مقالات کا مجموعہ ''مقالاتِ جامعہ صمدیہ'' جو جامعہ صمدیہ کے درجہ سادسہ کے طلبہ کی کوششوں سے منظر عام پر آیا ہے، آپ ہی کی توجہات سے یہ مجموعہ اشاعت کے لائق ہو سکا ہے۔ سالِ رواں (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء) کے درجہ سادسہ کے طلبہ نے اپنی دستارِ عالمیت کے موقع پر اس

مجموعہ مقالات کی اشاعت کے ذریعہ ایک اچھی پیش رفت کی ہے جس کے لیے وہ یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس مجموعے میں شامل مقالات درجہ سادسہ کے طلبہ کے ہیں، یہ طلبہ ابھی مشق ومہارت کے مرحلے سے گزر رہے ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ کہیں آپ کو تشنگی کا احساس ہو یا وہ چاشنی نہ مل سکے جو ایک ماہرِ فن کی تحریروں میں ملتی ہے، لیکن ان نوآموز طلبہ نے حوصلہ کیا، اپنی بساط بھر کوشش کی اور اپنی وسعت کے مطابق مقالات کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کی ہے، ان کا یہ حوصلہ اور کوشش یقیناً سراہے جانے کے لائق ہے۔

ہمیں امید ہے کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا اور درجہ سادسہ (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء) کا یہ اقدام جامعہ کی آنے والی نسلوں کے لیے نمونہ عمل قرار پائے گا۔

محمد ساجد رضا مصباحی
خادم تدریس جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
یکم/ مارچ ۲۰۱۵ء یک شنبہ

عرض ناشر

قرطاس وقلم ہر دور میں دین کی تبلیغ واشاعت کا اہم ذریعہ رہا ہے۔فقہِ اسلامی کا ذخیرہ، احادیث نبوی کا انمول خزانہ، عقائد وکلام اور تصوف کا قیمتی سرمایہ ہم تک تحریری شکل ہی میں پہنچا ہے۔آج بھی تصنیف وتالیف کا سلسلہ پورے آب وتاب کے ساتھ جاری ہے اور علم کتابوں کے ذریعہ ایک عہد سے دوسرے عہد میں منتقل ہو رہا ہے۔

زیر نظر مقالات کا مجموعہ " **مقالاتِ جامعہ صمدیہ** "بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے، جو جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے طلبہ درجہ سادسہ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔جامعہ میں تقریباً ایک دہائی سے ہفت روزہ جداریے نکالے جاتے ہیں اور ہر سال طلبہ کے مابین تحریری وتقریری مسابقہ کا انعقاد ہوتا ہے۔طلبہ کے لکھے ہوئے مقالات کی بڑی تعداد جامعہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔یہ مقالات نوع بنوع عناوین پر مشتمل ہیں اور اس لائق ہیں کہ ان کی اشاعت ہو تا کہ قوم کو ان سے فائدہ پہنچے۔

ہمارے احبابِ درس نے امسال اپنی دستارِ عالمیت کے موقع پر مجموعہ مقالات کی اشاعت کا منصوبہ بنایا۔جامعہ کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ العالی اور استاذی الکریم حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی قبلہ کی تائید ومشورے سے کام کا آغاز ہوا، عناوین منتخب کیے گئے، مواد کی فراہمی کے لیے رفقائے درس نے جامعہ کی تاج الفحول لائبریری کا چکر لگانا شروع کیا، اساتذہ کرام کی رہنمائی میں مواد کی فراہمی کے بعد مقالات مرتب ہوئے ۔یہ مقالات اساتذہ کرام کی بارگاہ میں پیش کیے گئے ،اساتذہ نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود مقالات کی اصلاح فرمائی۔

کسی کتاب کی طباعت واشاعت کے لیے ایک اہم مرحلہ سرمایے کی فراہمی کا ہوتا ہے ،زمانہ طالب علمی میں یہ کام اور مزید مشکل ہو جاتا ہے، لیکن اللہ رب العزت کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ ہمارے رفقائے درس نے نہایت فراخ دلی کا مظاہرہ کیا اور نہایت خندہ پیشانی کے

ساتھ اس ذمے داری کو قبول کیا جس کی وجہ سے ایک بڑا مرحلہ بآسانی طے ہو گیا۔

ہمارے لیے ایک بڑا مسئلہ مقالات کی کمپیوزنگ کا تھا، کیوں کہ پھپھوند شریف اور آس پاس میں کوئی اردو کمپیوزر نہیں ہے۔اللہ کے فضل سے اس مسئلے کا حل اس طرح نکل آیا کہ محبِّ گرامی مولانا ظفر اقبال فتح پوری متعلم درجہ خامسہ نے ہماری پریشانی کو دیکھتے ہوئے اس اہم ذمے داری کو اپنے سر لیا، موصوف عمدہ کمپوزر ہیں، بڑی بات یہ ہے کہ اللہ نے انہیں کام کرنے کا جذبہ عطا فرمایا ہے وہ درسی مصروفیات کے باوجود بڑے اخلاص کے ساتھ اس کام میں لگے رہے ۔ہم اپنے تمام احبابِ درس کی جانب سے ان کے شکر گزار ہیں۔

''**مقالاتِ جامعہ صمدیہ** ''کو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کے لائق نہیں ہوتے اگر جامعہ کے سربراہ اعلیٰ مخدومِ گرامی مرتبت، مفکر قوم وملت حضرت علامہ الحاج سید محمد انور میاں چشتی کی عنایات وتوجہات نہ ہوتیں۔حضرت نے جامعہ صمدیہ میں ہم طلبہ کے لیے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں۔تاج الفحول لائبریری کا قیام فرما کر ہمارے لیے لکھنے پڑھنے کا کام آسان کر دیا ہے، تحریری وتقریری مسابقوں کا انعقاد کر کے ہمارے حوصلوں کو مہمیز کرتے ہیں۔حضرت نے ہماری گزارش پر مجموعے کے لیے تقریظ رقم فرمائی ہم ان کے شکر گزار اور احسان مند ہیں اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت عطا فرمائے، اور ان کی عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے، آمین

جامعہ کے شیخ الحدیث جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ جو ہمارے محسن ومربی ہیں، جن کے سایہ شفقت میں رہ کر ہمیں اس مجموعے کی اشاعت کا حوصلہ ملا، اور جن کی رہنمائیوں کی وجہ سے ہماری مشکلات آسان ہوتی گئیں ہم تمام احبابِ درس حضرت کی خدمت میں تشکر وامتنان کا گلدستہ لیے حاضر ہیں۔ ع گر قبول افتد زہے عزوشرف

جامعہ صمدیہ کے تمام اساتذہ جن کی شفقتوں کے سایے میں ہم اپنے صبح وشام گزارتے ہیں، جن کی عنایات سے ہم اس خدمت کے لائق ہوئے ہیں یقیناً ان اساتذہ کا ہم پر بڑا احسان ہے جس کا بدلہ ہم شکریے کے چند رسمی جملوں کے ذریعہ نہیں دے سکتے ۔یہ ان کی ذرہ نوازی ہے کہ اپنے قیمتی اوقات کا ایک حصہ مقالات کی تصحیح میں صرف کیا اور انہیں طباعت کے قابل

بنایا۔خصوصاً ہم استاذی الکریم حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی دام ظلہ کی بارگاہ میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں کہ آپ نے ابتدا تا آخر ہماری رہنمائی فرمائی اور قدم قدم پر حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہے۔حضرت مولانا عابد چشتی ثقافی استاذ جامعہ صمدیہ نے مقالات کی تصحیح ومقابلہ میں خاص طور سے اپنا وقت دیا ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

ہمیں اپنی کم علمی وبے بضاعتی کا شدید احساس ہے،اس لیے ممکن ہے کہ ہماری تحریروں میں کسی قسم کی خامی رہ گئی ہو،ہم نے اپنی وسعت کے مطابق اسے عمدہ اور کارآمد بنانے کی کوشش کی ہے۔اگر کوئی خامی نظر آئے تو اسے ہماری کوتاہی سمجھیں اور اس کی نشان دہی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

''مقالاتِ جامعہ صمدیہ'' طلبہ جامعہ صمدیہ کی پہلی کاوش ہے،ہمیں امید ہے کہ ہمارے رفقاے جماعت نے جو دیپ جلایا ہے اس کی روشنی آئندہ نسلوں تک بھی پہنچے گی اور طلبہ کے زیر اہتمام مقالات کی اشاعت کا یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مشائخ کرام کے صدقہ وطفیل اس مجموعہ مقالات کو شرف قبولیت بخشے اور ہمیں آئندہ بھی دینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔آمین **بجاہ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔**

منجانب
درجہ سادسہ (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء)
جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف

راقم
زید رضا چشتی لکھیم پوری متعلم درجہ سادسہ
۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ
۲۸/فروری ۲۰۱۵ء شنبہ

حضور حافظ بخاری رضی اللہ عنہ کی علمی خدمات

زید رضا چشتی کھمریالکھیم پور

اعلم العلما،سید المفسرین،سند المحدثین،صدر مجلس علماے اہل سنت حافظ بخاری سید شاہ خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی رضی اللہ عنہ کا شمار ہندوستان کے ان جلیل القدر علما میں ہوتا ہے جن کی دینی اور مذہبی خدمات کو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔آپ کی علمی،دینی اور مسلکی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے،کیوں کہ آپ کے اندر بچپن سے ہی دین کی ترویج واشاعت اور تبلیغ دین کا جذبہ بیکراں موجود تھا۔آپ بے شمار محاسن وکمالات کے مرجع تھے۔ذیل کی سطور میں آپ کے اوصاف وکمالات اور دینی ومذہبی خدمات پر خامہ فرسائی کی کوشش کی گئی ہے۔

ولادت تعلیم وتربیت:

آپ کی ولادت مبارکہ ۱۴/شعبان المعظم ۱۲۶۹ھ مطابق جنوری ۱۸۵۳ء بروز جمعہ سہسوان ضلع بدایوں کے محلہ محی الدین پورہ میں ہوئی۔آپ نے چونکہ ایک علمی خانوادے میں آنکھیں کھولیں اس لیے بچپن سے ہی دین کی طرف میلان اور حصول علم کا ذوق تھا،جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو اپنے حقیقی بھانجے حضرت مولانا سخاوت صاحب قبلہ کے پاس تعلیم کی غرض سے بھیج دیا۔آپ نے سوا مہینے میں قاعدہ بغدادی ختم فرمایا۔صغر سنی کے عالم میں ہی آپ کی ذہانت وفطانت اور استعداد کا عالم یہ تھا کہ قرآن پاک پڑھنے والوں کی غلطیاں بیان فرما دیتے،اور ان کی اصلاح فرماتے۔سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ فرما لیا اور اس کے بعد درس نظامی کی تعلیم شروع فرمائی۔محض گیارہ سال کی عمر میں حضرت مولانا سخاوت علی صاحب سے صرف،نحو اور علوم شرعیہ،منطق وفلسفہ وغیرہ میں متوسطات تک علم حاصل کر لیا۔حضرت مولانا سخاوت علی صاحب نے مزید علم حاصل کرنے کے لیے آپ کو آفتاب رشد وہدایت ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت سیف اللہ المسلول علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ کے سپرد کر دیا۔حضرت سیف اللہ المسلول نے آپ کو اپنی ضعف ونقاہت کے باوجود خود ہی درس دینا شروع کیا اس کے علاوہ تعلیم وتربیت کے لیے حضرت محبّ رسول تاج الفحول

حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کی زیرنگرانی کردیا۔حضور حافظ بخاری نے حضرت سیف اللہ المسلول کے خوان علم سے خوب خوشہ چینی کی ۔حضرت سیف اللہ المسلول اور تاج الفحول بدایونی دونوں ہی علم وفضل میں یکتائے زمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ معرفت وروحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے ۔یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اپنے خوشہ چینوں کو صرف ظاہری علوم سے مستفیض نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی باطنی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے ۔حضور حافظ بخاری نے ان دونوں معزز نفوس قدسیہ سے علم ظاہری و باطنی حاصل کیا اور محض چودہ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون کی تحصیل سے فارغ ہوگئے ۔

علمی مقام:

آپ علم وفن کے عظیم مرتبہ پر فائز تھے،آپ کی تحریر کے ہر ہر حرف اور تقریر کے ہر ہر لفظ سے آپ کا تبحر علمی ظاہر ہوتا ہے۔آپ کی ذہانت وفطانت کا عالم یہ تھا کہ قرآن کے حافظ تو تھے ہی ساتھ ہی ساتھ بخاری شریف کی دونوں جلدوں کے مع سند ومتن حافظ تھے۔علاوہ ازیں حصن حصین ،دلائل الخیرات شریف کے بھی شاندار حافظ تھے۔اس مختصر مضمون میں آپ کی علمی شخصیت کا مکمل تعارف ممکن نہیں لیکن ذیل میں ایک ایسا واقعہ درج کیا جارہا ہے جس سے آپ کا علمی مقام ومرتبہ،آپ کی ذہانت وفطانت اور علمی گہرائی وگیرائی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور واضح ہوجائے گی۔

حضرت ظہیر السجاد صاحب ''ملفوظ مصابیح القلوب''میں حضرت خواجہ مصباح الحسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حافظ بخاری علیہ الرحمہ جھانسی تشریف لے گئے ،میں حضرت کے ساتھ ہی تھا ،وہاں اس زمانہ میں نواب چھٹن صاحب سنی المذہب اور قادری المشرب تھے۔عربی کے فارغ التحصیل اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے فلسفہ اور منطق میں شاگرد تھے۔انہوں نے حضرت قبلہ عالم کی تشریف آوری کے بعد حضرت کی بارگاہ میں حاضری دینا شروع کیا ،روزانہ بلاناغہ یہ معمول تھا کہ بعد نماز فجر آتے ،کم سے کم دوگھنٹہ حاضر رہتے اور عصر کی نماز حضرت کی اقتدا میں پڑھتے اور بعد نماز مغرب واپس ہوجاتے ،حضرت قبلہ عالم تقریبا ایک ماہ سے زائد وہاں تشریف فرما رہے۔ایک روز نواب صاحب حسب معمول بعد نماز فجر حاضر

ہوئے اور اپنے دادا استاذ امام منطق وفلسفہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ کا رسالہ ''بالروض المجود فی وحدۃ الوجود ''لائے اور عرض کیا میں اسے سمجھنا چاہتا ہوں ،حضرت نے بغیر مطالعہ فرمائے اور نظر ڈالے فرمایا کہ پڑھیے انہوں نے بسم اللہ کی ''ب'' سے شروع کیا ۔وہ پڑھتے جاتے اور حضور قبلہ عالم اس کا مفہوم بیان فرماتے جاتے ،درمیان میں نواب صاحب اعتراض کرتے اور حضرت اس کا جواب بھی دیتے ۔صبح تقریبا ایک گھنٹہ دن چڑھے یہ جلسہ شروع ہوا اور بارہ بجے جب کہ گرمیوں کا موسم تھا تمت کی ''ت'' پر نواب صاحب پہنچے درمیان میں حضرت کی کسی سے نہ گفتگو ہوئی اور نہ ہی دوسرے سے مخاطب ہوئے ،جس وقت رسالہ ختم ہوا نواب صاحب مضطربانہ پیروں میں گر پڑے اور عرض کیا ،میں نے اس رسالہ کو سبقاً سبقاً اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے پڑھا مگر واللہ حضور نے بعینہ وہی تقریر فرمائی جو مولانا صاحب کیا کرتے تھے۔نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ ہوا حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ نواب صاحب آج آپ ایک ایسے ملے جو اتنی دیر میرے سامنے قائم رہ سکے۔(ملفوظ شریف،ص:۷۰)

اس واقعہ سے حضور قبلہ عالم کے علمی مقام ومرتبہ کا اندازہ بحسن وخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

علمی خدمات:

چونکہ ابتدا سے ہی آپ کے اندر تبلیغ دین کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔احقاق حق ،ابطال باطل اور مسلک اہل سنت وجماعت کی نشرواشاعت اور دین کے احکام ومسائل کی تبلیغ آپ کا نصب العین تھا چنانچہ دین متین کے سچے اور صحیح عقائد ومسائل کو ایمان والوں تک پہنچانا اور فرق باطلہ کے عقائد فاسدہ کی تخریب اوران کے عقائد کے شیش محل کو چکنا چور کرنا آپ کا اولین مقصد تھا۔آپ نے جس دور میں آنکھیں کھولیں اس وقت ہر چہار جانب باطل افکار ونظریات پھیلے ہو ئے تھے،اور بھولے بھالے مسلمانوں کو گمراہ و بدمذہب بنایا جارہا تھا۔آپ ایک باکمال واعظ و خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نکتہ رس محقق اور مصنف بھی تھے لہذا آپ نے تقریر وتحریر دونوں ہی اعتبار سے دین کی خدمت کی۔آپ نے لوگوں کی رہنمائی کے لیے مختلف علاقوں کا سفر بھی کیا اور تبلیغ دین کی راہ میں مصائب وآلام اور صعوبتوں کو بھی برداشت کیا۔پھپھوند شریف اس وقت شیعیت کا مرکز بنا ہوا تھا۔شیعہ مجتہدین اپنے افکار فاسدہ کی تشہیر کے لیے یہاں آیا کرتے

تھے۔اہل سنت کے چند افراد یہاں موجود تھے جو تقریباً شیعوں کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے،
لہذا حضور قبلہ عالم نے پھپھوند ہی کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا اور مسلسل جد و جہد کے ذریعہ
پھپھوند شریف سے مکمل طور پر شیعیت کا خاتمہ کر دیا۔شیعوں کے بڑے بڑے مجتہدین آپ کی
علمی صلاحیت اور مناظرانہ طرز کو دیکھ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔اور آپ نے تقریر وتحریر بلکہ ہر
جہت سے شیعوں کا رد فرمایا چنانچہ آپ نے محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو شیعوں کے رد میں مسلسل
چھ گھنٹہ خطاب فرمایا۔

آپ ہر جمعہ کو پند ونصائح پر مشتمل ایک جامع خطاب فرماتے،جس میں فرق باطلہ کے
مکر وفریب کو بیان فرماتے اور ان کے دام فریب سے بچنے کی مسلمانوں کو تلقین کرتے۔اسی وجہ
سے بعض دفعہ آپ کو ناساز گار حالات سے بھی دو چار ہونا پڑا مگر آپ نے پورے عزم واستقلال
کے ساتھ باطل کی تردید اور اسلام وسنیت کی آبیاری فرمائی۔

آپ نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی دین کی عظیم خدمات انجام دی ہیں،شیعوں
کے ایک مولوی عمار علی بھرت پوری نے ''**اثبات متعہ**'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے
جواب میں آپ نے ''**ارغام الشیاطین فی تردید متعة الشیعین** ''تحریر فرمائی۔آپ نے
اپنی اس کتاب میں شیعوں کو دنداں شکن جواب بھی دیا اور نہایت عمدہ دلائل سے اپنے موقف کو
ثابت کیا،جس کا جواب ان سے آج تک نہ بن پایا۔آپ نے فرق باطلہ یعنی شیعوں،وہابیوں اور
دیوبندیوں کے رد میں نہایت عمدہ اور پر مغز تقریباً ۱۳ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

(۱)حق الیقین فی مبحث مولد اعلی النبیین۔

(۲)افادات صمدیہ۔

(۳)جمعہ تلبیسات۔

(۴)جواب اقوال۔

(۵)نصر السنیین علی عداۃ سید المرسلین۔

(۶)تکملہ۔

(۷)نصر السنیین علی احزاب المبتدعین۔

(۸)طوارق صمدیہ۔

(۹)نمونہ وہابیوں کی کارسازیوں شعبدہ بازیوں کا۔

(۱۰)عین الیقین۔

(۱۱)تبعید الشیاطین بامداد جنود الحق المبین۔

(۱۲)شعلہ غضب۔

(۱۳)ارغام الشیاطین فی تردید متعۃ الشیعین۔

یہ تمام کتابیں کسی نہ کسی فرقے کے رد میں یا کسی رسالہ کے جواب میں معرض وجود میں
آئیں جنہیں دیکھ کر اہل باطل حیران وششدر رہ گئے اور ان کے عقائد فاسدہ کے محل چکنا چور ہو
گئے۔

حاصل یہ کہ حافظ بخاری خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی رضی اللہ عنہ نے دین کی تبلیغ و
اشاعت اور فرق باطلہ کی تردید وابطال میں جو نمایا خدمات انجام دیں ہیں وہ آب زر سے لکھے
جانے کے قابل ہیں،انہوں نے تنہا وہ کام کیا جس کے لیے باضابطہ ایک ٹیم کی ضرورت ہوتی ہے
۔ان کی شخصیت میں غیر معمولی تنوع تھی۔وہ عابد شب زندہ دار بھی تھے اور میدان مناظرہ کے
شہسوار بھی۔وہ ایک طرف خلق خدا کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے مالا مال کر رہے تھے
تو دوسری طرف مسند تدریس پر بیٹھ کر علم دین کے جواہر بھی لٹا رہے تھے،اس ہمہ جہت شخصیت کا
احسان پوری جماعت اہل سنت پر ہے۔اللہ انہیں بلند مراتب عطا فرمائے۔آمین

۱۷ر جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ بروز شنبہ آپ نے اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت
فرمائی۔آج بھی مزار پر انوار پھپھوند شریف کے احاطہ نور میں مرجع خلائق ہے۔

☆☆☆

عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت

محمد علاء الدین رضوی گوپی گنجوی

میلاد شریف کی حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا واقعہ، حمل شریف کے واقعات، نور محمدی کی کرامات، نسب نامہ یا شیر خواری اور حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پرورش کے واقعات بیان کرنا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت پاک نظم یا نثر میں پڑھنا سب میلاد ہی کا حصہ ہے۔واقعۂ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھیں یا مجلس قائم کر کے نظم میں پڑھیں یا نثر میں، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر، جس طرح بھی ہو اس کو میلاد شریف کہا جائے گا۔

محفل میلاد منعقد کرنا، ولادت پاک کی خوشی منانا، ذکر میلاد کے موقع پر خوشبو وغیرہ لگانا، شیرینی تقسیم کرنا غرضیکہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقے سے ہو وہ جائز و مستحب اور نہایت ہی باعث برکت اور رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

اب ہم ذیل میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عید میلاد النبی کا ثبوت قرآن کی روشنی میں:

میلاد شریف قرآن و احادیث، ملائکہ و پیغمبران عظام کے معمولات سے ثابت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا۔

''وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ'' اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف لانا، اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور محفل میلاد میں اسی نعمت کا ذکر ہوتا ہے اور اس نعمت عظیم پر شکر ادا کیا جاتا ہے۔لہذا سرکار کی تشریف آوری پر میلاد منانا گویا اس قرآنی آیت پر عمل کرنا ہے۔

دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔''وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ'' اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو۔لہذا اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتیں مثلاً آنکھ، کان، روشنی، صحت و شباب اور خوشحالی وغیرہ پر شکر ادا کرنا لازم ہے تو ضرور اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور تشریف

آوری پر شکر ادا کرنا لازم ہے، اس لیے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نے بندے کے رشتہ کو خالق حقیقی سے استوار کر دیا، انسان کے بخت خوابیدہ کو بیدار کر دیا اور سرکار کی جلوہ گری نے اولاد آدم کے بگڑے ہوئے مقدر کو سنوار دیا، یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہت ہی عظیم نعمت ہے۔کیوں کہ آپ کی بعثت کسی قبیلے، کسی خاندان، کسی قوم اور زمانے کے لیے نہیں ہوئی بلکہ ساری مخلوق کے لیے ہوئی۔لہذا اللہ کی اس نعمت عظمیٰ اور ابدی احسان پر شکر ادا کرنا فرض ہے۔

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد عظیم المرتبت انعام ہے جس کو منعم حقیقی نے اپنی قدرت کی زبان سے خصوصی طور پر علیحدہ ذکر کیا۔فرمایا گیا۔

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ'' (سورہ آل عمران، پ:۳، آیت نمبر ۱۶۴)

ترجمہ۔بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔(کنز الایمان)

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عظیم نعمت ہیں اور نعمت کا ذکر کرنا اہل محبت کا طریقہ ہے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے کرنے کے لیے محفل میلاد کا انعقاد کرنا درست، مستحب اور باعث برکت و رحمت ہے۔

عید میلاد النبی کا ثبوت احادیث کی روشنی میں:

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت پر قرآن حکیم کی روشنی میں گفتگو کی جس میں ہم نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ میلاد شریف کے انعقاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ پر شکر بجالانا حکم قرآن کا تقاضا ہے۔لہذا اب ہم محفل میلاد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت پاک اور اپنے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم بھی ہے۔ کیوں کہ ولادت رسول کا تذکرہ اور اوصاف نبی کا ذکر ہی میلاد کی اصل ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''عن العباس انه جاء الیٰ النبی صلی الله علیه وسلم فکانه سمع شئیا فقام النبی صلی الله علیه وسلم علی المنبر فقال من انا فقالوا انت رسول الله قال انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب ان الله خلق الخلق فجعلنی فی خیرهم ثم جعلهم فرقتین فجعلنی فی خیر هم فرقة ثم جعلهم قبائل فجعلنی فی خیر هم قبیلة ثم جعلهم بیوتا فجعلنی فی خیر هم بیتا فانا خیرهم نفسا خیر و بیته'' (مشکوۃ المصابیح، ج:۲،ص:۵۱۳، باب فضائل سید المرسلین)

ترجمہ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، شاید سرکار تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک میں طعن کرتے ہیں تو منبر پر کھڑے ہو کر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا آپ رسول اللہ ہیں۔ فرمایا: میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں، اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہترین مخلوق میں سے کیا، پھر ان کے دو حصے کیے (عرب وعجم) ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں کیا، پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے تو ان میں سے بہتر یعنی قریش میں کیا، پھر قریش میں چند خاندان کیا ہم کو ان میں سب سے بہتر خاندان یعنی ہاشم سے کیا۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پاک بھی محفل میلاد کی ثبوت پر دلیل ہے۔

''عن العرباض بن سارية عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال انی عند الله مکتوب خاتم النبیین و ان آدم لمنجد ل فی طینة و ساخبر کم بادل امری دعوة ابراهیم و بشارة عینی ورؤیا التی رأت حین و ضعتنی و قد خرج لها نور اضاء لها منه قصر الشام'' (مشکوٰۃ المصابیح، ج:۲، باب فضائل سید المرسلین، ص:۵۱۳)

ترجمہ۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک ہم خاتم النبیین تھے اس وقت بھی جب حضرت آدم علیہ

السلام خاک کی منزل طے کر رہے تھے اور میں تم کو اپنے معاملے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کے دیدار کی خبر دیتا ہوں جنہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس کی وجہ سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ سرکار کی میلاد سنانا سنت ہے کیوں کہ سرکار نے خود اپنا نسب، نعت شریف اور اپنی ولادت کے واقعات کو بیان فرمایا ہے اور یہی عمل یعنی نعت شریف، ولادت اور نسب کے تذکرے محفل میلاد میں کیے جاتے ہیں۔

فقہائے سلف اور محدثین کی نظر میں عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت:

حضرت امام ابوشامہ جو امام نووی شارح صحیح مسلم کے استاذ ہیں، فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ میں جو بہترین نیا کام کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ہر سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد کے دن صدقات وخیرات کرتے ہیں اور اظہار مسرت کے لیے گھروں اور گلیوں کو آراستہ کرتے ہیں، کیوں کہ اس میں کئی فائدے ہیں۔ فقراء ومساکین کے ساتھ احسان کرتے ہیں نیز جو شخص یہ کام کرتا ہے اس کے بارے میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کی محبت وعظمت کا چراغ روشن ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرما کر جو احسان فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنے کے لیے مسرت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج:۱،ص:۸۰)

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے معترضین میلاد کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ محفل میلاد کا انعقاد بے اصل نہیں ہے بلکہ اس کے لیے سنت نبوی میں اصل موجود ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے یہ حدیث تحریر فرمائی جو صحیحین میں موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہودیوں کو پایا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جس دن فرعون غرق ہوا اور موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھتے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے زیادہ ہم اس بات کے حق دار ہیں کہ موسیٰ علیہ

السلام کی نجات پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کریں۔ چنانچہ حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور اپنی امت کو بھی ایک دن کی بجائے دو دن روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ (بخاری شریف، ج:۱، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشورہ ،ص:۲۶۸)

صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خبر جب ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے اسے دی تو اپنے بھتیجے کی ولادت کی خوشخبری سن کر اس نے اپنی لونڈی کو آزاد کردیا اگرچہ اس کی موت کفر پر ہوئی اور اس کی مذمت میں پوری سورت نازل ہوئی لیکن میلاد مصطفیٰ پر اظہار مسرت کی برکت سے ہر دوشنبہ کو اسے پانی کا گھونٹ پلایا جاتا ہے اور اس کے عذاب میں بھی اس روز تخفیف کی جاتی ہے۔ (ضیاء النبی ج:۲،ص:۵۵)

مذکورہ گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عشق رسول کی بنیاد پر جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانا اور اس کے اظہار کرنے کا وہ طریقہ شرعا جائز ہے جو شریعت اسلامیہ اور تہذیب اسلامی کے دائرے میں ہے ہاں شرعا جو امور ممنوع ومحظور ہیں، ان میں سے کوئی بات اور کوئی کام کرنا محبت رسول نہیں بلکہ فریب نفس ہے۔

انفرادی اور اجتماعی سطح پر ذکر ولادت رسول، بیان فضائل رسول مسلمانان عالم ہر عہد میں کرتے کراتے اور سنتے سناتے چلے آئے ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ووارفتگی کا اظہار دینی، علمی اور عملی ہر سطح پر عالم اسلام میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے اس کے لیے کسی زمان ومکان کی کوئی قید نہیں اور نہ کوئی طرز اور طریقہ مخصوص ہے، نہ قرآن وحدیث میں اس کے لیے کوئی وقت متعین کر کے مسلمانوں کو اس کا پابند بنایا گیا ہے، بلکہ جب جہاں اور جیسے چاہیں اللہ ورسول کی تعریف وتوصیف کریں، شب وروز، صبح وشام، سفر وحضر، آبادی وویرانہ میں تنہا یا چند لوگ مجتمع ہوکر نظم میں اپنے قلب وروح کی گہرائی سے حمد باری تعالیٰ ونعت رسول مقبول کے ترانے گائیں، نثر میں رب کائنات کی تسبیح وتہلیل کریں۔ عشق رسول کے فیضان بیان کریں۔ یہ سب امور نہ صرف یہ کہ جائز ومستحسن ہیں بلکہ مسلمانان عالم کے معمولات میں شامل ہیں۔

برصغیر ہند وپاک میں بحمدہ تعالیٰ خوش عقیدہ مسلمانوں کی غالب اکثریت ہے وہ ان معمولات اہل سنت پر عامل ہیں اور کار ثواب سمجھتے ہیں جو یقیناً حق اور صحیح ہے۔ ☆☆☆

اسلام کا پیغام امن

شمس الہدیٰ پولی فتح پور

معاصر دنیا میں مختلف مذاہب وادیان اور نظام ہائے حیات موجود ہیں، ان میں صرف مذہب اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے نام ہی میں امن وسلامتی کا پیغام شامل ہے۔ یہ اعجاز وافتخار کسی اور مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ مذہب اسلام انسانیت کا سب سے بڑا ہمدرد محافظ اور قدر داں ہے۔ یہی اس کی تعلیمات کا خاص عنصر ہے۔ جو مذہب ایک آدمی کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دے اور ایک انسانی زندگی کے بچانے کو پوری انسانی برادری کے تحفظ کے برابر سمجھے اس کے سایۂ کرم میں کسی فتنے، سازش، شورش اور اضطراب کے پنپنے یا پروان چڑھنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی افکار ونظریات اور اس کی تعلیمات کے مطالعہ سے ہر غیر جانب دار فرد یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا پیغام دینے، ظلم وبربریت اور دہشت گردی کا خاتمہ کرنے، انسانیت کا درس دینے، رحمتوں کی بارش برسانے اور انس ومحبت کی وسیع چادر میں پوری دنیا کو سمیٹ کر اتحاد واتفاق کی دعوت دینے آیا ہے۔ اسلام نے وحدت انسانی اور عظمت بنی نوع انسانی کا تصور دیتے ہوئے کہا۔ ’’کلم من آدم و آدم خلق من تراب‘‘ سب حضرت آدم کی اولاد ہیں اور وہ مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسلام نے حیات انسانی میں ایسے عظیم انقلابات پیدا کیے کہ انسان زمین کی پستیوں سے اٹھ کر عرش کی بلندیوں پر جا پہنچا، وطن سے محبت اور محبت کرنے کا جذبہ صادق، اسلامی نظریہ کی دَین ہے یہ اسلام ہی ہے جس نے پوری دنیا کو اپنا وطن اور اپنا گھر قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

یوں تو دنیا کی کوئی بھی شریف قوم یا دنیا کا کوئی مذہب یہ درس نہیں دیتا کہ ایک انسان کسی دوسرے انسان کو اذیت پہنچائے، اس کی حق تلفی کرے، لیکن مذہب اسلام کو اس سلسلے میں خاص اہمیت حاصل ہے کہ وہ پوری انسانیت کو امن وسکون اور محبت کا پیغام دیتا ہے، اس نے اپنی

تعلیمات سے جو پیغام امن انسانیت کو دیا ہے پوری دنیا اس احسان سے سبک دوش نہیں ہوسکتی ۔آپ ملاحظہ کریں۔اور تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھیں تو محسوس ہوگا کہ جب روم و یونان اور دنیا کی دیگر مہذب ترین قومیں انسانیت کے درد سے ناآشنا تھیں ایک غلام کی اپنی کوئی مرضی اور خواہش نہ تھی، انہیں اپنے آقاؤں کے لیے جینا اور مرنا ہوتا تھا، من چلے شہزادوں کی دل جوئی کی خاطر انسان کی گردن مار کر رقص بسمل کے نظارے بھرے دربار کی زینت ہوا کرتے تھے، اور کوئی آنکھ اس ظلم وتعدی سے نم نہیں ہوتی تھی، جب ظالم باپ اپنی ہی بیٹی سے زندہ رہنے کے حقوق چھین لیتا تھا، جب انسانیت کے شعور کو پابند سلاسل بنا دیا گیا تھا، جب انسانی آزادی قید وبند کی صعوبتوں سے گزر رہی تھی، لوگوں کے افکار ونظریات پر ظلم کے پہرے تھے، شیطانیت ننگی ہوکر رقص کر رہی تھی، مظلوموں کی چیخ وپکار صدا بصحرا ہوچکی تھی، کوئی پرسان حال نہ تھا، کوئی سننے والا نہ تھا۔

اس پرفتن دور میں دنیا کو سب سے پہلے انصاف کا معیار عطا کرنے والا مذہب صرف اسلام ہے جس نے حقوق کی ادائیگی کو عبادت قرار دیا، مظلوم کی دادرسی کرنا عبادت قرار پایا۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے کتّے کی پیاس کو دیکھ کر بے قرار ہو اٹھنے والی فاحشہ جنتی قرار دے دی گئی، بلّی کو بھوکا قید کر کے رکھنے والی عابدہ زاہدہ دوزخی بن گئی۔ضرورت ہے کہ آج دنیا میں اسلام کے پیغامات کو پھیلایا جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ مذہب اسلام جو درخت اور پیڑ پودوں کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے وہ کسی انسان کی جان لینے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے، ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو یہی پیغام دیتا ہے کہ دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھو، کسی کو گناہ میں ملوث دیکھے بغیر اس پر تہمت نہ لگاؤ، اس کے کردار پر انگلی نہ اٹھاؤ، اس کی ذات پر حملہ نہ کرو اگر ایسا کیا تو اسے سزا کا مستحق سمجھا جائے گا۔مگر یہ جرم کے روکنے کے طریقوں میں ایک طریقہ پر عمل تھا، کیوں کہ لوگ ذاتی رنجشوں کا انتقام لینے کے لیے بےقصور انسانوں پر تہمت لگانے سے گریز نہیں کرتے اور اسے ظلم کرنے کا ایک اچھا ذریعہ بنالیتے ہیں۔

اسلام نے پہلے ان اسباب ومحرکات پر غور کیا تو پتہ چلا کہ انسان کے کردار اور اس کی ذات پر شک اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ وہ ایسی جگہ موجود ہو جہاں لچّے اور خبیث لوگ جاتے

ہیں اور دوسروں کو شک ہوتا ہے کہ کہیں یہ بھی ان گناہوں میں ملوث تو نہیں، قمار خانہ اور شراب خانہ میں شریف لوگ نہیں جاتے۔لہذا سب سے پہلے اسلام نے یہ حکم صادر فرمایا۔"اتقوا مواضع التھم" تہمت کی جگہوں سے بچو تاکہ تمہارے کیریکٹر پر کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع تک نہ ملے۔اس کے باوجود اگر کوئی صرف دشمنی نکالنے کے لیے سماج میں تمہارے وقار کو مجروح کرے اور تہمت لگائے تو پھر اسلام تہمت لگانے والے کے لیے کڑی سزا منتخب کرتا ہے جسے دیکھ کر کسی پر الزام لگانے کی ہمت نہیں ہوگی۔یہی وہ خوبی ہے جس کے سبب خدا نے اسلام کو پسندیدہ دین قرار دیا ہے۔

اسلام نے جانوروں یعنی چوپایوں کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے۔چنانچہ اسلامی نظام حیات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمایا اس میں نہ صرف افراد انسانی کے پورے پورے حقوق کا تحفظ ہے بلکہ حیوانات ونباتات کے ساتھ بھی ظلم وستم کو ناروا رکھا گیا۔وہ اسلام ہی ہے جس نے جانوروں کے حقوق کے لیے قوانین مقرر کیے ہیں اور یہ تعلیم دی ہے کہ کسی جانور پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہرگز نہ لادا جائے، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو یہ احساس تھا کہ میرے حدود خلافت میں اگر کوئی خارشی بکری اپنے مرض کا علاج نہ پاسکی تو مجھے خوف ہے کہ رب تعالیٰ کے حضور مجھ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

سیدنا عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام عاملین کو یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ کسی اونٹ پر چھ سو رطل سے زیادہ وزن ہرگز نہ لادا جائے، یہ انہیں پاکیزہ تعلیمات کا اثر ہے جو رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ سرکش ہوکر بھاگ گیا، وہ انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا اونٹ سرکش ہوکر فرار ہوگیا اور مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کے نزدیک جاسکوں کیوں کہ میں ڈرتا ہوں کہ مجھے ہلاک نہ کردے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹ کی طرف چلے، جب اونٹ نے حضور کو دیکھا تو آواز نکالتا ہوا آیا اور حضور کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سے فرمایا یہ اونٹ تمہاری شکایت کر رہا ہے،

اس کے ساتھ اچھا سلوک رکھو۔ پھر رسی اس کے سر میں ڈال دی اور انصاری کے حوالے کر دیا۔ جس قانون کی نگاہ جانوروں اور چوپایوں کی تکلیف پر اتنی گہری ہو کیا کوئی ذی عقل یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ قانون انسانی حقوق کے کسی گوشے کو اپنی فیض رسانیوں سے محروم کرے گا۔

اسلامی مساوات:

انسانی جان کی عزت اور اس کا احترام آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ خطبہ حجۃ الوداع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کی جن بنیادوں کو اپنے پیروں سے روندڈالا وہ محض عرب اور اس مخصوص زمانہ سے متعلق نہیں ہے بلکہ رہتی دنیا تک انسانی حقوق کے استحصال کی جو جاہلی تحریک اٹھے گی اسلام اور سچے مسلمان قرآنی قوانین کی روشنی میں ہمیشہ اس کا دفع کرتے رہیں گے۔ سوائے اسلام کے دنیا کا کوئی قانون نہیں جو انسان کو انسان ہونے کی بنیاد پر عزت وکرامت کا مستحق قرار دیتا ہو، کوئی کسی خاندان کا ہونے کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں معتبر ہے، کوئی کسی خاص ملک کا باشندہ ہونے کی وجہ سے امتیازی سلوک کا حق دار ہے۔ نسل، قوم، رنگ اور زبان پر انسان کی تقسیم خود انسانوں کے ہاتھوں عمل میں آتی ہے، اسلام نے انسانی اکائی کو ان محدود خانوں میں تقسیم ہونے سے بچانے میں جو مؤثر بنیادی اور عملی کردار ادا کیا ہے وہی دراصل اقوام متحدہ کی کتاب حقوق انسانی کی کاغذی کارروائی کا بھی محرک اعظم ہے۔

معاشی اصلاح:

اسلام سے پہلے معاشی زندگی بھی خرابیوں اور بدعنوانیوں کا شکار تھی۔ لوٹ، کھسوٹ جوا، سود، شراب کی خرید وفروخت، ذرائع معاش اور تجارت کی ایسی صورتیں جن میں قمار کا اصول کارفرما تھا، تمام دنیا میں رائج تھیں۔ سرمایہ دار غریبوں کا خون چوستے تھے۔ یہودیوں کا طبقہ اس لحاظ سے بہت آگے بڑھا ہوا تھا۔ جوا بازی میں ان کا یہ حال تھا کہ اپنے گھر کی تمام دولت اور مال و اسباب حتیٰ کہ عورتیں تک بازی میں لگا دیتے تھے، بنی اسرائیل کی دیکھا دیکھی یہود سے میل ملاپ کے باعث ان میں سود خوری بھی داخل ہو چکی تھی۔ سود در سود سے مقروض کو تباہ و برباد کیے ڈالتے تھے۔ چوری اور ڈاکہ ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا اور اس کے لیے انہوں نے ایک مذہبی مسئلہ تیار کر لیا تھا کہ غیروں کا مال چرانا اور لوٹنا ان کے لیے جائز ہے۔

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظریہ کی پوری شدت سے تردید کی کہ تجارت تو بس تجارت ہے۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ تجارت کے باوجود اللہ کی یاد سے غافل مت ہوں، معاشی زندگی میں بھی اللہ کی حدود اور اخلاقی ضابطوں کا پورا پورا خیال رکھا جائے، قرآن مجید نے مسلمانوں کی تعریف اس طرح کی ہے۔

''رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ'' (پ:۱۸، سورۃ النور، آیت نمبر:۳۷)

ترجمہ۔ وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد اور نماز برپا رکھنے اور زکات دینے سے۔ (کنز الایمان)

حلال وحرام کی تمیز:

اسلام ایسے نفع کو جو حرام ذرائع سے کمایا گیا ہو، دوزخ کی آگ قرار دیتا ہے۔ اسلام نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے اگر ان کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جو معاشرے کی اخلاقی اور جسمانی زندگی کو مجروح کرتی ہیں یا انسانوں کے درمیان عدل وانصاف اور قسط وتوازن کا قیام مشکل کر دیتی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا'' یہ اسلام کی انسان نوازی ہے کہ اس نے انسانیت کو طاغوتی تہذیبوں کی دلدل سے نکال کر انسانی تہذیب وتمدن کا اجالا بخشا اور اسے رذیل اور نامناسب عادات واطوار سے دور رکھ کر اخلاق حسنہ اور مستحسن خصائل کے زیور سے مزین کیا۔ اسلام کی تعلیمات میں ایک باوقار انسان کی شان یہ ہے کہ وہ مذاق اور تمسخر جیسے گھٹیا کاموں سے بھی دور رہے۔

اسلام نے جو نظام عدل ومساوات قائم کیا ہے اس سے اہل اسلام ہی نہیں بلکہ غیر بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حدود اسلامیہ میں رہنے والے ذمی غیر مسلم بھی احکام اسلام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ان کے ساتھ بھی عدل وانصاف ہوگا، آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ''دمھم کدمائنا واموالھم کاموالنا'' ان کے خون ہمارے خون کی طرح ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح ہیں۔ گویا مسلمانوں کی طرح ذمی کافروں کو بھی اسلام مکمل تحفظ

عطا فرماتا ہے۔

آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کسی گورے کو کالے پر کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں، ہاں فضیلت تقویٰ و پرہیز گاری ہے۔

معاشرتی امن:

معاشرہ اور سوسائٹی کو راست رکھنے کے لیے اجتماعی زندگی کا پورا ڈھانچہ درست کرنا ضروری ہے۔ اللہ اور یوم آخرت نیز جزا وسزا پر ایمان کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں خدائی گرفت کا شدید احساس اجاگر ہونا ضروری ہے جو انسان کو رزق حلال کے حصول پر آمادہ کرے اور حرام کی آلودگیوں سے نفرت دلائے۔ چوری، ڈاکہ زنی، رشوت خوری، دھوکہ دہی فریب اور گداگری جیسی لعنتوں سے محفوظ رکھے۔ فرمان رسول ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی شخص نے نہیں کھایا۔ اور اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے۔ (بخاری عن المقدام بن معدیکرب)

رشوت خوری، سود، غصب اور خیانت سے پاک وصاف معاشرہ جس میں تکبر، ظلم، وعدہ خلافی، حسد، بدنگاہی، جھوٹی شہادت اور ناجائز حمایت وطرف داری جیسی لعنتوں کو انسانی اخلاق کی بدترین بیماریاں سمجھ کر ان سے پرہیز کرایا جائے اور وقار، سنجیدگی، سادگی، صفائی، احقاق حق و ابطال باطل، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت کے اسباق عام ہوں۔ جہاں اپنے پرائے ہر ایک کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کیا جاتا ہو۔ یقیناً وہ خیر و برکت اور امن وسلامتی کا معاشرہ ہوگا۔ اسلامی تمدن میں جذبہ غم گساری اور اپنے بھائی کی حمایت میں خود کو تکالیف کے حوالے کرنے کی روشن مثالیں ملتی ہیں۔

خود فاقوں پر فاقے برداشت کر کے دوسروں کو شکم سیر کرنا، خود عالم نزع میں پانی نہ پی کر دوسرے پیاسے بھائی کو سیراب کرنے کے جذبے میں جاں بحق ہو جانا۔ حق وصداقت کی حمایت میں گھر، خاندان اور خود اپنی جان تک قربان کر دینا، اسلامی تاریخ کا طرہ امتیاز ہے۔

اسلام کی نظر میں شاہ وگدا برابر ہیں۔ اسلامی قوانین اور تہذیب کا معمولی طالب علم بھی

جانتا ہے کہ عبادات سے معاملات تک ہر جگہ اسلام میں مساوات کا دور دورہ ہے۔ آیئے دیکھیے یہ اسلامی عبادت گاہ مسجد ہے جہاں خدائے واحد کی عبادت کی جاتی ہے، ایک ہی صف میں شاہ و گدا، امیر وغریب سب کھڑے ہیں۔ کسی امیر کبیر کسی داعی وحاکم کے لیے کوئی مخصوص نشست گاہ نہیں ہے۔ امیر صف میں کھڑا ہے ایک فقیر نادار آیا وہ بھی اس کے شانے سے شانہ جوڑ کر بلا تکلف کھڑا ہو گیا اس عبادت خانے کے دروازے پر کسی کے لیے داخلہ ممنوع کا سائن بورڈ نظر نہیں آئے گا۔

دنیا بھر کے حجاج کرام مرکز توحید کی طرف حج کے ارادے سے جمع ہوتے ہیں ان میں امیر وکبیر بھی ہیں اور نادار اور کم حیثیت والے بھی۔ مگر قربان جایئے اسلامی مساوات کے قانون پر کہ دو کپڑوں کا فقیرانہ احرام بادشاہوں کے جسم پر بھی ہے اور رعایہ کے بدن پر بھی گویا کہ یہ ایک خاموش اعلان ہے کہ یہاں ہی نہیں ہر جگہ اسلام نے امارت اور تفوق کی بنیادوں پر تیشہ زنی کی ہے۔ دولت اور حکومت کے خمار سے مخمور انسانوں کو مساوات کا ترش وتلخ گھونٹ پلایا ہے تاکہ انسان اپنی اصلیت کو فراموش نہ کرے، کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہوئے کسی امیر کی امارت یا فقیر کا فقر اسے ایک دوسرے پر امتیاز نہیں بخشتا، وہاں سب صرف ایک خدا کے ایک جیسے بندے ہونے کی حیثیت سے حاضر ہیں۔

اسلامی تعلیمات میں کسی بھی زمرے کے لیے تفریق نہ کرنا، حقوق کی ادائیگی میں تمام بندگان خدا کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا، قومی تعصب اور رنگ ونسل کے امتیازات کو مٹا کر سب کو آدم کی ایک اولاد قرار دینا، یقیناً احترام انسانیت ہے۔ جس دین میں احترام انسانیت کا تصور نہیں ہوگا وہاں یہ ساری بیماریاں نظر آئیں گی اور جہاں انسانیت کا احترام ہوگا وہاں نفرت، تشدد اور دہشت گردی جیسی برائیاں راہ نہیں پاسکیں۔

☆☆☆

حسد ایک مرض ناسور

غلام غوث دیناجپوری

آج مسلم معاشرہ میں طرح طرح کی برائیاں پھیلی ہوئی ہیں جن کو ختم کیے بغیر معاشرہ میں ترقی کا امکان نظر نہیں آتا ہے۔ان برائیوں میں سے ایک خطرناک بیماری حسد ہے جس کی وجہ سے لوگوں کی آپسی میل محبت ختم ہو جاتی ہے، رشتے داریاں متأثر ہوتی ہیں اور تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل میں حسد سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔لہذا حسد جیسے مرض ناسور کو ختم کیے بغیر کامیاب انسانی معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔

حسد کا مفہوم:

حسد یہ ہے کہ انسان کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ خواہش کرے کہ اس کے پاس سے وہ نعمت زائل ہو جائے خواہ وہ نعمت اس کو ملے یا نہ ملے اور اگر اس کی قدرت میں اس نعمت کو چھیننا ہو تو وہ اس نعمت کو چھین لے۔امام جرجانی حسد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں حاسد صاحب نعمت سے نعمتوں کے زوال کی چاہت کرتا ہے اور تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمتیں اس سے چھن کر مجھے مل جائیں۔امام ماوردی کے مطابق حسد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان محترم شخصیات کی خوبیوں اور نعمتوں پر شدید افسوس میں مبتلا ہو جائے۔

ذیل کی سطور میں قرآن وحدیث کی روشنی میں حسد کے نقصانات اور مضر اثرات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حسد کی مذمت آیات قرآنیہ کی روشنی میں:

اللہ رب العزت نے حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ فلق میں حاسد کے حسد سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا۔ارشاد ربانی ہے ”وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ “ترجمہ(تم کہو میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔اللہ تعالیٰ نے جن بری چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم قرآن پاک میں دیا ان میں حسد کو بھی شمار کرایا۔اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حسد انسانوں کے لیے کس قدر ضرر رساں اور صاف ستھرے سماج و

معاشرہ کی تشکیل کی راہ میں کتنی بڑی رکاوٹ ہے۔خالق کائنات کا دوسری جگہ یوں ارشاد ہے۔

”وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَ سْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا “(پ۵ سورہ النساء آیت نمبر ۳۲)

ترجمہ۔اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر بڑائی دی مردوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ اور اللہ سے اس کا فضل مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔(کنزالایمان)

اس آیت کے ایک ٹکڑا ”وَلَا تَتَمَنَّوْا “ سے ”بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ “ تک کی شان نزول یہ ہے کہ جب آیت میراث ”لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ “نازل ہوئی اور میت کے ترکہ میں مرد کا حصہ عورت سے دونا مقرر کیا گیا تو مردوں نے کہا کہ ہمیں امید ہے کہ آخرت میں نیکیوں کا ثواب بھی عورتوں سے دوگونا ملے گا،اور عورتوں نے کہا کہ ہمیں امید ہے کہ گناہ کا عذاب ہمیں مردوں سے آدھا ہوگا تو اس میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جو فضل وکمال دیا وہ عین حکمت ہے بندے کو چاہیے کہ وہ اس قضا(فیصلے) پر راضی رہے۔

حضرت صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ والرضوان اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

حسد نہایت بری صفت ہے،حسد والا دوسرے کو اچھے حال میں دیکھتا ہے تو اپنے لیے اس کی خواہش کرتا ہے اور ساتھ میں یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کا بھائی اس نعمت سے محروم ہو جائے،یہ ممنوع ہے۔بندے کو چاہیے کہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہے،اس نے جس بندے کو جو فضیلت دی خواہ دولت وغنا کی یا دینی مناصب ومدارج کی،یہ اس کی حکمت ہے۔عورتیں زیادہ حسد کیا کرتی ہیں اس لیے آیت مذکورہ میں خاص طور سے یہ بات بیان کر دی گئی کہ ہر ایک کو اپنے ٹھکانے پر رہنا چاہیے جس نے جو عمل کیا ہر ایک کو اپنے اپنے حصے پر قناعت گزیں ہونا چاہیے۔دوسرے کی نعمت ودولت کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنا لائق انسانیت نہیں،بلکہ ہر ایک کو اللہ ہی سے اس کا فضل مانگنا چاہیے کیونکہ وہی سب کو بطور قلیل وکثیر اپنے انعامات واکرامات سے نوازتا ہے اور

حضور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عطا سے تقسیم فرماتے ہیں۔اس میں اس کی حکمت و مصلحت ہے اور اپنی حکمت کو وہی خوب جانتا ہے لہذا حسد کرنا بیکار و بے سود ہے۔

حسد کی مذمت احادیث نبویہ کی روشنی میں:

’’عن انس بن مالک ان رسول الله صلی علیه وسلم قال لا تبا غضوا و لا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عبادا لله اخوانا ولا یحل لمسلم ان یهجر اخاه فوق ثلثةایام ‘‘ (صحیح بخاری جلد ثانی کتاب الادب باب ما ینهی عن التحاسد التدابر ص ۸۹۶)

ترجمہ:۔حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں بغض وحسد نہ کرو اور ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہے۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ انسانی زندگی اسی وقت خوش گوار ہو سکتی ہے جب کہ انسان ایک دوسرے سے بغض وحسد کرنا چھوڑ دے اور پیٹھ پیچھے برائی کرنا ترک کردے، کیونکہ تجر بات شاہد ہیں کہ جس معاشرہ میں بغض وحسد کا فقدان نہیں ہے وہ معاشرہ گناہوں کے دلدل میں جا پھنسا ہے۔افسوس کی بات تو یہ ہے کہ حسد جیسی خبیث بیماری خاص طور سے مسلمانوں کے اندر پائی جاتی ہے، غیر قوموں میں اس قدر نہیں پائی جاتی جس کی وجہ سے اب دوسری قومیں تو ترقی کر رہی ہیں لیکن مسلمان اپنے آپس میں بغض وحسد کی وجہ سے نقصان اٹھا رہے ہیں۔لہذا ضرورت ہے کہ اپنے معاشرہ کو حسد سے پاک ومنزہ کریں اور متحد ہو کر زندگی گزاریں ایک دوسرے سے جدائیگی اختیار نہ کریں۔اگر کبھی شیطان کے وسوسے کے سبب حسد پیدا ہو جائے تو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل پیرا ہو کر تین دن سے زیادہ ترک تعلق نہ کریں اور آپس میں مصافحہ ومعانقہ کرکے بغض وحسد کو دور کردیں۔

’’عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال :ایاکم والحسد فان الحسد یا کل الحسنات کما تا کل النار الحطب والصدقة تطفی الخطیئة کما یطفی الماء النار والصلوٰة نور المومن والصیام نجاةمن

النار ‘‘ (سنن ابن ماجه ،باب الحسد)

ترجمہ:۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اور صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔نماز مومن کا نور ہے اور روزہ جہنم سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔یعنی جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ حسد جیسے نیکیوں کو کھا جاتا ہے اسی طرح صدقہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے زیادہ سے زیادہ صدقہ کریں۔

حسد کے متعلق صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے فرامین:

حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی سے کسی دنیوی شئی کی وجہ سے حسد نہیں کیا، کیونکہ اگر وہ شخص جنتی ہے تو میں دنیا کی وجہ سے اس سے حسد کروں حالانکہ وہ جنت کے مقابلہ میں بہت حقیر ہے اور اگر وہ جہنمی ہے تو میں دنیوی شئی کی وجہ سے اس سے حسد کیسے کروں جبکہ وہ چیز خود جہنم میں لے جانے والی ہے۔

حضرت سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو بندہ کثرت سے موت کو یاد کرتا ہے اس کی خوشی اور حسد میں کمی ہو جاتی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو میری کسی نعمت سے حسد کرتا ہے میں اس کے سوا ہر شخص کو راضی کر سکتا ہوں اس لیے کہ حاسد اسی وقت راضی ہوگا جب وہ نعمت مجھ سے زائل ہو جائے گی۔

حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا فرمانِ عالی شان ہے اے ابن آدم! اپنے بھائی سے حسد نہ کرو کیونکہ اگر اللہ عزوجل نے اس کی تعظیم وتکریم کے واسطے وہ نعمت اسے عطا فرمائی ہے تو جسے اللہ تعالیٰ عزت دے اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا تو اس سے حسد بے فائدہ ہے اور اگر کسی اور وجہ سے اسے نعمت عطا فرمائی ہے تو اس سے حسد کیوں کرتے ہو جس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔(الزواجر عن اقتراف الکبائر)

حسد کے متعلق بزرگوں کے اقوال:

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں حسد سے بچو اس لیے کہ حسد ہی آسمان میں پہلا گناہ ہے جس کو ابلیس نے انجام دے کر خدائے تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی (حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کرکے) اور یہی وہ زمین میں پہلا گناہ ہے جس کا ارتکاب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کرکے کیا۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ حسد سے سوجھ بوجھ کی استعداد معدوم ہو جاتی ہے۔ جو فہم وفراست جیسی نعمت کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے وہ کسی سے حسد نہیں کرتا اور میں بعض اوقات نئے کپڑے اس وجہ سے نہیں پہنتا ہوں کہ میرے پڑوسی اور کسی دوسرے کے دل میں حسد پیدا نہ ہو۔

کسی نے حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کیا مومن حسد کرتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا، کیا تم کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ یاد نہیں ہے۔ یعنی مومن بھی اگر حسد کرے تو متعجب مت ہو، لیکن اس کا انجام ذلت وخواری ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یو سف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے حسد کے سبب گھر سے نکالے گئے اور چند برس بعد بادشاہت کی تاج سے سرفراز کیے گئے۔ آخرکار ان کے بھائیوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑا اور اپنے کیے ہوئے پر شرمندگی اٹھانی پڑی۔

ایک حاسد کا عبرت ناک انجام:۔

ایک نیک شخص کو بادشاہ کی قربت حاصل ہوگئی اور اس کی عادت تھی کہ جب وہ بادشاہ کے پاس جاتا تھا تو نصیحت کرتا، جس کی وجہ سے وہ محبوب بارگاہ ہوگیا۔ ایک جاہل شخص کو اس نیک شخص کی قربت شاہی کی بنیاد پر حسد ہوگیا اس نے اس کے قتل کا منصوبہ بنایا اور بادشاہ سے کہا یہ شخص آپ کو بدبودار سمجھتا ہے اس کی دلیل یہ کہ جب آپ اس کے قریب ہوں گے تو وہ ناک پر ہاتھ رکھ لے گا تو بادشاہ نے کہا ٹھیک ہے میں اسے دیکھوں گا۔ یہ حاسد شخص وہاں سے نکل کر اس نیک شخص کو اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دی اور لہسن کھلا دیا، وہ نیک آدمی اس کے گھر سے نکل کر دربار شاہی میں آیا اور بادشاہ کو بھلائی کی تلقین کی جیسا کی اس کی عادت تھی بادشاہ نے کہا میرے قریب آؤ تو اس نے اس خوف سے کہ بادشاہ کو لہسن کی بو محسوس نہ ہو اپنی ناک پر ہاتھ رکھ

لیا، بادشاہ نے سوچا کہ وہ آدمی سچ کہہ رہا تھا۔ اس بادشاہ کی عادت تھی کہ وہ کسی کے لیے اپنے ہاتھ سے صرف انعام دینے ہی کا فرمان لکھتا۔ لیکن اس بار اپنے ایک گورنر کو اپنے ہاتھ سے لکھا کہ جب میرا خط لانے والا یہ شخص تمہارے پاس آئے تو اسے ذبح کر دینا اور اس کی کھال میں بھوسا بھر کر میرے پاس بھیج دینا، اس نے وہ خط لیا اور دربار سے نکلا تو وہ حاسد اسے ملا اور کہا یہ خط کیسا؟ تو نیک شخص نے جواب دیا بادشاہ نے مجھے انعام لکھ کر دیا ہے، حاسد نے کہا: مجھے یہ ہبہ کردو، اس نے دے دیا۔ حاسد اسے لے کر گورنر کے پاس پہنچا اور خط کو اس کے حوالے کیا تو گورنر نے بتایا کہ تمہارے خط میں لکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کردوں اور تمہاری کھال میں بھوسا بھر کر بادشاہ کے پاس بھیج دوں، چنانچہ گورنر نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرکے بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ پھر وہی نیک شخص اپنی عادت کے مطابق بادشاہ کے پاس آیا اور حق کی تلقین کی تو بادشاہ نے حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ تم نے خط کا کیا کیا؟ اس نے بتایا مجھے فلاں شخص ملا تھا اس نے مجھ سے یہ مانگا میں نے اسے دے دیا تو بادشاہ نے کہا اس نے مجھے بتایا تھا کہ تم کہتے ہو کہ میرے جسم سے بدبو آتی ہے، اس نیک شخص نے جواب دیا میں نے تو ایسا نہیں کہا، پھر بادشاہ نے پوچھا تو تم نے ناک پر ہاتھ کیوں رکھ لیا تھا۔ اس نے بتایا اسی شخص نے مجھے لہسن کھلا دیا تھا اور میں نے پسند نہیں کیا کہ بادشاہ سلامت اس کی بو سونگھیں۔ بادشاہ نے کہا تم سچے ہو اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ جاؤ۔ برے آدمی کی برائی اسے کفایت کرگئی۔ (جامع الترمذی، ابواب صفة القیامة)

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ حسد کے نتیجے میں کبھی جان بھی چلی جاتی ہے لہذا ہمیں حسد کی وبا سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے حسد جیسے مرض ناسور سے محفوظ و مامون رکھے، آمین۔

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ

محمد خورشید باندوی

بنی نوع آدم میں مکارم اخلاق کی ضرورت سب سے زیادہ حضرات انبیا و مرسلین کو پڑتی ہے۔ کیوں کہ پیغام الٰہی کو بندوں تک پہنچانا انبیاے کرام کا فریضۂ منصبی ہوا کرتا ہے۔ انبیاے اکرام کو طرح طرح کے مصائب و آلام اور قسم قسم کے رنج والم کی پر خطر وادیوں کا راہی بن کر پیغام الٰہی کو دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے۔ تمام انبیا و مرسلین میں سب سے زیادہ ہمارے آقا علیہ الصلاۃ والتسلیم کو دین اسلام کے فروغ میں اذیت و مصیبت اور تکلیف و آفت برداشت کرنی پڑی۔ اسلام کو عروج و ارتقا کی منزلوں تک پہنچانے میں کتنی روکاوٹیں سامنے آئیں مگر محسن انسانیت نے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں تسلیم و رضا اور صبر و وفا کا پیکر بن کر ان کا سامنا کیا اور استقلال و استقامت کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ مثالی کارنامے اسی ذات اور شخصیت سے وابستہ ہو سکتے ہیں جو ذات اخلاق کریمانہ اور محاسن عظیمہ کی پیکر مجسم ہو۔ لہذا جب ہم سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اخلاق کا جائزہ کتب سیر و تواریخ کے ذریعہ لیتے ہیں تو آپ کی ذات اخلاق کریمانہ کی مخزن نظر آتی ہے۔ خود قرآن کریم نے آپ کے اعلیٰ اور مثالی اخلاق کی تائید میں کہا ''اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' ہم نے اپنے اس مضمون میں سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کا اجمالی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

جود و سخا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمانہ میں سے ایک وصف سخاوت و فیاضی بھی ہے۔ آپ جود و کرم کے بحر ناپیدا کنار تھے، فیض رسانی اور فیاضی میں آپ کی ذات آپ کی حیات ظاہری میں بھی شہرۂ آفاق تھی اور آج بھی تربت انور میں جلوہ فرما ہو کر حاجت مندوں کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔ مفلوک الحال کو اک اشارۂ ابرو سے تخت و تاج کا مالک بنانا اور غریب و ناتواں اور مفلس و نادار انسان کو گوہر مراد عطا کر کے زمانے کا فیاض بنا دینا آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔ صفت

جود و کرم میں کوئی شخص بھی صاحب خلق عظیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑھ کر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو سخی بنایا صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے سخی ہیں۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اپنے دامن با برکت میں سخاوت و فیاضی کی داستانیں سمیٹے ہوئے ہے۔ آپ کے پاس جو کچھ رہتا اسے آپ شام تک تقسیم فرما دیتے تھے، مانگنے والوں کو ضرور عطا فرماتے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی چیز آپ سے طلب کی گئی ہو اور آپ نے اس کے جواب میں لا یعنی نہیں فرمایا ہو۔

ایک دفعہ آپ کی بارگاہ میں مال پیش کیا گیا آپ نے اپنی توجہ اس مال کی طرف مبذول فرمائی اور سب کا سب تقسیم فرما دیا۔ آپ کسی ضرورت مند کو ملاحظہ فرماتے تو گھر کا کھانا تک اسے عطا فرما دیتے حالانکہ آپ کو بھی اس کی ضرورت ہوتی۔ حضور کے اس جود و کرم کا نتیجہ تھا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں حضور کی عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی وہ اس جود و کرم کے باعث حضور کے متوالے بن گئے اور اپنا سب کچھ لٹانے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جود و کرم حد و شمار اور انداز و قیاس سے باہر ہے۔ غرض یہ کہ آپ کی ذات اقدس جود و سخا فیض و عطا میں منتہائے کمال پر فائز تھی جس کا احاطہ انسانی قوت و ادراک سے ماورا ہے۔

عدل و انصاف:

آپ نے اپنے ماننے والوں کو عدل و انصاف اور یکسانیت و مساوات کا وہ پیغام دیا جس کو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ سرکار کے عدل و مساوات کے طور طریقے اور اصول و ضوابط کو اگر کوئی حکومت اپنا لے تو یہ صد فیصد سچائی ہے کہ اس کے اقتدار و سلطنت میں کبھی فساد اور بگاڑ پیدا نہیں ہو سکتا۔ سرکار کے عدل و انصاف کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

عرب کے ایک معزز خاندان کی ایک عورت نے چوری کی آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا قریش نے ایک بزرگ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو شفارش کے لیے تیار کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے، جب انہوں نے اس عورت کے لیے شفارش کی تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے اسامہ اگر آج فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اسے بھی یہی سزا ملتی۔ (بخاری شریف، ج: ۲، ص: ۱۰۰۳، کتاب الحدود، باب الکراہیۃ الشفاعۃ فی الحد الیٰ السلطان)

گویا کہ عدل وانصاف اور یکسانیت اور مساوات کی فضا قائم کرنے کے لیے آپ نے بڑی جدوجہد فرمائی۔

شکر وتحمل:

شکر وتحمل اور صبر ورضا بھی آپ کی ایک غیر معمولی صفت تھی بڑی سے بڑی مصیبت دلوں کو ہلا دینے والے مشکلات کا سامنا خندہ پیشانی کے ساتھ کیا کرتے تھے اور خون کے آنسو رلا دینے والے واقعات کے سامنے آپ ایک مضبوط چٹان کی طرح ثابت قدم رہتے تھے۔ آپ کی زندگی مسائل ومشکلات سے بھری تھی لیکن آپ نے کسی مشکل اور پریشانی کی گھڑی میں صبر کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ اپنی تمام تر کامیابیوں کو اللہ کی خصوصی شفقت سمجھتے اور سجدۂ شکر کے لیے سر کو خم کر دیتے، منافقین مدینہ، مشرکین مکہ اور یہود ونصاریٰ جو آپ کے دشمن تھے ہر قسم کی تکلیفیں دیتے لیکن کبھی صبر کا دامن آپ کے دست بابرکت سے نہیں چھوٹا۔ ایک جگہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے آپ پر کیچڑ پھینکا، آوازیں لگائیں اور اتنے پتھر مارے کہ آپ خون سے تر بتر ہو گئے اور بے ہوش ہو گئے پھر بھی یہی فرمایا کہ میں ان کی ہلاکت نہیں چاہتا کیوں کہ اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔ شاید ہی دنیا میں کسی کو آزمائش کی اس قدر سختیوں میں ڈالا گیا ہو۔ لیکن آپ نے ہر مصیبت اور ہر تکلیف کو نہایت ہی تحمل اور استقامت سے برداشت کیا اور کسی بھی موڑ پر دامن صبر ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

امانت ودیانت:

آپ اپنے اس خلق عظیم کی وجہ سے قبل از بعثت ہی صادق، امین جیسے القاب سے یاد کیے جانے لگے تھے، آپ کی صداقت وامانت کا ہر کس وناکس معترف تھا۔ زمانے کا رواج ہے کہ جب تک آدمی کوئی مقام ومرتبہ حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک وہ تمام اوصاف حمیدہ سے متصف رہتا ہے لیکن جب کوئی اقتدار مل جائے تو اس وقت یہ تمام اوصاف خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر، سرکار کی ذات ان خیالات سے ماوریٰ ثابت ہوئی۔ آپ اتنے بڑے امین تھے کہ ہجرت کی رات جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کا مشورہ کیا تھا اس وقت آپ نے حضرت علی کو پیچھے چھوڑا اور اپنے بستر پر لٹا

دیا اور کہا کہ یہ جو امانتیں ہیں ان کو واپس کر کے چلے آنا۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو صرف لوگوں کی امانتوں کے لیے چھوڑا تھا۔ امانت ودیانت کی یہ ایک عظیم مثال ہے۔

مساوات:

مساوات بھی آپ کی سیرت اور آپ کے اخلاق کریمانہ کا ایک روشن پہلو ہے۔ سرکار کی تعلیمات سے قبل اہل عرب نسبی، تجارتی، خاندانی اور مالی تفاخر میں اس طرح مبتلا تھے کہ اپنے سے کمتر انسان کو کبھی کوئی مقام نہیں دیتے تھے، ہر بڑا اپنے سے چھوٹے کو غلام سمجھتا تھا، بیویوں کو لونڈی اور باندی بنا کر رکھا جاتا تھا۔ خاص طور سے عورتوں کی زندگی جہنم بنی ہوئی تھی۔ جاہل عربوں کا یہ تصور تھا کہ عورت امن وسکون کی غارت گر ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ عورتوں کے صحیح مقام ومرتبے سے انہیں واقف کرایا اور مساوات کا ایسا سبق پڑھایا کہ صنف نازک کے ساتھ گزشتہ کے سارے ظالمانہ رویے رحم وکرم اور شفقت ومحبت میں بدل گئے۔

بدر کے قیدیوں میں آپ کے چچا حضرت عباس بھی شامل تھے اور دوسرے قیدیوں کی طرح بندھے ہوئے تھے اور کراہ رہے تھے، آپ کو ان کے کراہنے سے تکلیف ہوتی تھی، لیکن مساوات کا تقاضہ تھا کہ انہیں نہ کھولا جائے، لیکن جب صحابہ کرام کو اس بات کا علم ہوا تو ان کی رسی کو ڈھیلا کر دیا جب یہ بات سرکار کو معلوم ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ ان سب کی رسیوں کو ڈھیلا کر دو۔ (طبقات کبریٰ لابن سعد ۱۳۴)

مہمان نوازی:

مہمان نوازی بھی آپ کے اوصاف جمیلہ میں سے ایک خاص وصف ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں جن سے آپ کی شان میزبانی آشکارا ہوتی ہے۔ اور عالم انسانیت کو میزبانی کا ایک درس بھی ملتا ہے۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے تو مہمان کی عزت کیا کرے۔ آپ مہمان کی ضیافت کا خاص خیال رکھتے تھے۔ جتنی دیر مہمان قیام پذیر رہتا اس وقت تک آپ اس کی میزبانی میں لگے رہتے۔ آپ مہمان کو خدا کی رحمت سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ نجاشی کے یہاں سے سفارت آئی آپ نے اس کو اپنے یہاں مہمان بنایا اور

خود میزبانی کے فرائض انجام دیے۔صحابہ نے عرض کیا،یارسول اللہ! ہم لوگوں کو خدمت کرنے کی اجازت دی جائے تو ارشاد فرمایا کہ حبشہ میں ان لوگوں نے میرے دوستوں کی خدمت گزاری کی ہے اس کے لیے میں خود ان کی مدارات کرنا چاہتا ہوں۔(ضیاء النبی،ج:۵،ص:۳۶۵)

حسن سلوک:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دوستوں کو نوازتے اور دشمنوں کو معاف فرماتے تھے۔جنگ احد میں دوستوں کی کچھ غلطی کی وجہ سے بہت بڑا نقصان ہوا اور قیمتی جانیں گنوانی پڑیں لیکن آپ نے غلطی کرنے والوں کو سزا دینا تو بہت دور کی بات ہے ان کو ملامت تک نہ کی اور ان کو ان کی غلطی کا احساس تک نہ ہونے دیا۔کون سا ایسا ظلم ہے اور کون سا ایسا ستم ہے جو دشمنوں نے آپ پر روا نہ رکھا ہو۔بلا وجہ ستایا،کوڑا پھینکا،کانٹے ڈالے اور قتل کی سازشیں کیں لیکن فتح مکہ کے دن جب دشمنوں سے بدلہ لینے اور ان کو سزا دینے میں کوئی امر مانع نہ تھا،آپ نے پرانی باتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عام معافی کا اعلان فرمادیا اور سب کو معاف کردیا۔

صبرواستقلال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر کامرانیوں کے پس پردہ آپ کی جو غیر معمولی قوت کام کررہی تھی وہ آپ کا استقلال یعنی آپ کی مستقل مزاجی تھی۔قریش نے آپ کو طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا کیا۔ان کا مطالبہ صرف اتنا تھا کہ آپ تبلیغ اسلام سے باز آجائیں لیکن آپ ان کی باتوں کو نہ سنتے ہوئے نہایت ہی مستقل مزاجی سے اپنی راہ پر گامزن رہے۔کفار کی ناکہ بندی کی وجہ سے کوئی چیز کھانے پینے کو نہیں ملتی تھی۔بچے بھوک اور پیاس سے تڑپ رہے تھے۔ماؤں کے دودھ ختم ہوگئے تھے۔جوان اور بوڑھوں کو بھوک نے نڈھال کردیا تھا یہ بھیانک واقعہ آپ صبح وشام دیکھ رہے تھے لیکن آپ اپنے موقف پر چٹان کی طرح قائم رہے،پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔

گزشتہ گفتگو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ ومحاسن عظیمہ کی چمک ایسے عیاں ہے جیسے ریت میں کندن اور ان سے پتا لگتا ہے کہ مظلومی و بے چارگی اور قوت کی متضاد حالتوں میں یکساں سادگی وغربت کے ساتھ زندگی پوری کرنے والا صرف وہی ہوسکتا ہے جس کے دل پر دست قدرت نے قبضہ کرلیا ہو اور اس کو علائق دنیاوی سے پاک کردیا ہو۔☆☆☆

اتحاد کی برکتیں اور اختلاف کے نقصانات

محمد مقیم رضا بریلوی

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جس نے بہت ہی قلیل عرصہ میں پوری دنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور مسلسل ترقی کرتا رہا۔اسلام اور مسلمانوں کی یہ روز افزوں ترقی دشمنان اسلام مثلا یہود ونصاریٰ اور دیگر قوموں کو راس نہ آئی اور وہ بری طرح جل بھن گئے،اسی وجہ سے انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی پیش قدمی روک کر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے قسم قسم کی سازشیں اور گھنونی حرکتیں کیں۔لیکن ان کا اسلام اور مسلمانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔اس کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات پر عمل پیرا تھے اور ان میں باہم اتفاق و اتحاد قائم تھا۔لیکن بعد میں جب مسلمانوں نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی مقدس تعلیمات پر عمل کرنا ترک کردیا اور اختلاف وانتشار کا شکار ہوگئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام مخالف قوموں نے ان پر غلبہ حاصل کرلیا اور مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پچھڑ گئے۔آج جس طرح باطل قوتیں پوری تندی سے اسلام کے خلاف کام کررہی ہیں،اس تناظر میں انتہائی ضروری ہوگیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان سے اختلاف وانتشار کو ختم کرکے اتحاد کا ماحول قائم کیا جائے تاکہ مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار پھر سے پالیں اور عظمت رفتہ کی بازیابی ہو۔

ذیل کی سطور میں ہم نے اتحاد کی برکتوں اور اختلاف کے نقصانات پر روشنی ڈالنے کی ادنیٰ کوشش کی ہے۔

اتحاد قرآن کی روشنی میں:

اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق کی شمع فروزاں کرنے اور اختلاف وانتشار کو ختم کرنے کا حکم فرماتے ہوئے قرآن میں ارشاد فرمایا۔’’وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا‘‘(پ۴،آیت۱۰۳،سورہ آل عمران)

ترجمہ۔اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جانا۔(کنزالایمان)

اس آیت مقدسہ میں خداوند قدوس نے یہود ونصاریٰ کے درمیان ہونے والی جنگوں

اور اختلاف وانتشار سے بچنے اور آپس میں اتحاد واتفاق قائم کرنے کی تلقین فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے مسلمانوں! تم یہود ونصاریٰ کی طرح معمولی باتوں اور زبانی تکرار پر آپس میں اختلاف وانتشار پیدا نہ کرو۔ اس لیے کہ اسی خانہ جنگی کی وجہ سے ہی وہ ناکام ونامراد تھے بلکہ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو کیوں کہ اگر تم نے اس رسی کو چھوڑ دیا تو تم گمراہ و بدمذہب ہو جاؤ گے۔ بعض مفسرین کرام نے حبل اللہ سے کلام الٰہی مراد لیا ہے۔ اور بعض مفسرین عظام نے اس سے جماعت مراد لی ہے۔ قرآن کی اس آیت کے مفہوم کو ادا کرتی ہوئی یہ حدیث پاک بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! یقیناً میں تمہارے درمیان ایسی شئ چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ یعنی کلام اللہ اور اس کے رسول کی سنت۔ اس مفہوم کی ایک اور حدیث پاک ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد فصیح وبلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور دل کانپنے لگے۔ ایک شخص نے کہا یہ تو وداع ہونے والے شخص کے وعظ کی طرح ہے۔ یا رسول اللہ! آپ ہمیں کیا وصیت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں پرہیزگاری اور سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ خبردار! شریعت کے خلاف نئی باتوں سے بچنا کیوں کہ یہ گمراہی کا راستہ ہے، لہذا تم میں سے جو یہ زمانہ پائے وہ میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔ تم لوگ میری سنت کو مضبوطی سے پکڑ لینا یعنی اس پر سختی سے کاربند رہنا۔

قرآن پاک میں ایک اور مقام پر اتحاد واتفاق کی اہمیت کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ'' (پ:۲۶، سورہ حجرات، آیت:۱۰)

ترجمہ۔ مسلمان مسلمان بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرو اور اللہ سے ڈرو

کہ تم پر رحمت ہو۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، لہذا مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بھائی کے جیسا سلوک کرنا چاہیے اور اتحاد واتفاق قائم رکھنا چاہیے۔

اتحاد کی برکت واہمیت احادیث کی روشنی میں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو متحد ومتفق ہو کر امن وسکون کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دی اور مختلف مقامات پر مختلف طرز بیان کے ذریعہ لوگوں کو اتحاد واتفاق کی اہمیت سے روشناس کرایا۔ ان کے مابین صلح اور اتحاد قائم کرنے کی بھرپور کوشش بھی کی۔ اتحاد واتفاق کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہوئی چند احادیث پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

(۱)''عن ابی موسیٰ اشعری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضا'' (مشکوۃ شریف باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص:۴۲۲)

ترجمہ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی تقویت کا باعث ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں ڈال کر ارشاد فرمایا جس طرح یہ ملی ہوئی ہیں مسلمانوں کو بھی اسی طرح مل کر رہنا چاہیے۔

(۲) ''عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول یوم القیامۃ این المتحابون بجلالی الیوم اظلھم فی ظلی یو م لا ظل الا ظلی'' (مشکوۃ شریف باب الحب فی اللہ و من اللہ، ص:۴۲۵)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا میری عظمت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے آج کہاں ہیں؟ تاکہ میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں کیوں کہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔

(۳)''عن معاذ ابن جبل قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال

اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی'' (مشکوۃ شریف باب الحب فی اللہ و من اللہ ،ص:۴۲۶)

ترجمہ۔حضرت معاذ ابن جبل ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری محبت واجب ہوگئی میری خاطر محبت کرنے والوں ،میری خاطر مجلسیں قائم کرنے والوں ،میری خاطر ایک دوسرے سے ملنے والوں اور میرے خاطر خرچ کرنے والوں کے لیے۔

مذکورہ بالا احادیث نبویہ میں اتحاد کی برکت واہمیت کو قوم مسلم پر اجاگر کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ مومن آپس میں عمارت کی اینٹ کی طرح ہیں کہ اگر ایک ایک کرکے عمارت کی ایک دوسرے سے اینٹیں اس سے الگ ہو جائیں تو وہ عمارت منہدم ہو جائے گی ۔لہذا مسلمانوں کو عمارت کی اینٹ کی طرح مل جل کر رہنا چاہیے۔جب مسلمان آپس میں اتحاد واتفاق قائم رکھیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کو بے شمار برکتیں حاصل ہوں گی کہ اللہ رب العزت اتحاد واتفاق قائم کرنے اور محبت ومودت سے رہنے والوں کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ رب العزت ان کے مراتب ودرجات کو اتنا بڑھا دے گا کہ انبیا اور شہدا بھی ان کے مرتبے پر رشک کریں گے۔اور ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرمائے گا۔اللہ رب العزت کا محبت فرمانا اور اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دینا ہماری کامیابی وکامرانی کا نقطۂ عروج ہے۔حاصل یہ کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیں آپس میں متحد ومتفق رہنے کا درس دے رہی ہے اور اتحاد واتفاق کو کامیابی کی ضمانت قرار دے رہی ہے۔لہذا مسلمانوں کو باہم متحد ومتفق رہنا چاہیے کہ اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔

اسلامی تاریخ میں اتحاد کی برکتوں کے نمونے:

اسلامی معاشرہ میں آج جو اختلاف وانتشار کا ماحول قائم ہے اس کا ایک بڑا سبب مسلمانوں کے باہمی ربط وتعلق کا نہ ہونا بھی ہے جس کے مضر اثرات سے پورا معاشرہ زوال پذیر ہے۔لہذا اس کا سد باب کرنے اور اتحاد کی برکت واہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے تاریخ کے حوالہ سے چند ایسے نمونے پیش کیے جاتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوگا کہ جب تک ہم متحد ومتفق

رہے،تب ہم کامیاب وکامران رہے ہمارا وقار بحال رہا،ہم اقوام عالم کے درمیان ایک طاقت ور قوم کی حیثیت سے متعارف رہے۔لیکن ہماری آپسی نا اتفاقیوں نے ہمیں پستی کے اس قعر مذلت میں ڈھکیل دیا ہے۔

مہاجرین وانصار میں اتحاد:

مہاجرین وانصار کے درمیان رشتہ مواخات اسلامی تاریخ میں اتحاد کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ سے ہجرت کرکے آئے ہوئے بے سروسامان مہاجرین کو سہارا دینے اور ان کے درمیان اجنبیت کو ختم کرنے کے لیے انصار ومہاجرین کو آپس میں بھائی بنا دیا۔ان کا یہ رشتہ حقیقی بھائی کے رشتہ سے زیادہ قوی ثابت ہوا۔اس موقع پر انصار نے اپنی فیاضی کا کچھ اس طرح مظاہرہ کیا کہ حضرت سعد بن ربیع نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر حضرت عبدالرحمٰن کے لیے پیش کر دیا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔مہاجرین آیت میراث کے نازل ہونے سے قبل انصار کی وراثت سے حصہ پاتے تھے۔بلاشبہ مہاجرین وانصار کا یہ رشتۂ مواخات اتحاد واتفاق اور بھائی چارگی کا بے مثال نمونہ ہے۔اسی اتحاد واتفاق کی بدولت انہوں نے پوری دنیا میں اپنی عظمت وسطوت کے پرچم لہرائے اور پوری دنیا کو اپنا گرویدہ بنالیا۔

جنگ بدر میں اتحاد کی برکت:

جنگ بدر اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی جنگ ہے،اس میں مہاجرین وانصار کے درمیان اتحاد واتفاق کا ایک بہت ہی بے مثال منظر نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔مجاہدین اسلام کی بے سروسامان جماعت تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی یہ اسلام کی بقا اور اس کے تحفظ کے لیے میدان کارزار میں آئی تھی، جب کہ دشمنان اسلام ایک ہزار کی تعداد میں مسلمانوں سے تین گنا زیادہ ہتھیاروں سے لیس اسلام ومسلمان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے بے تاب تھے۔لیکن مسلمانوں کے اخلاق اور جذبۂ اتحاد واتفاق کے سبب انہیں شکست کھانی پڑی۔مسلمان باہم متحد ومتفق ہوکر کفر کے خلاف برسرپیکار ہوئے،اللہ کی نصرت شامل ہوئی اور اس جنگ میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔تاریخ اسلام میں اتحاد کی برکتوں کے یہ نمونے ہی قوم مسلم میں اتحاد واتفاق کا

ماحول پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ان دونوں واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ۔

متحد ہو تو بدل سکتے ہیں عالم کا نظام

منتشر ہو تو مرو شور مچاتے کیوں ہو

تاریخ عالم میں اتحاد کی برکتوں کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ہمیں عبرت حاصل کر کے اپنے سماج و معاشرہ میں اتحاد کی فضا قائم کرنی چاہیے۔

اختلاف کے نقصانات:

جلالۃ العلم حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں: ''اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت'' حضرت حافظ ملت کا یہ قول سو فیصد صداقت پر مبنی ہے۔ اختلاف یقیناً قوموں کی موت کے مانند ہے۔تاریخ میں کوئی ایسی قوم نہیں ملتی جس کے درمیان باہمی اختلاف پیدا ہوا اور وہ روے زمین پر عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہ سکی ہو۔اختلاف کی وجہ سے بڑی بڑی مضبوط سلطنتوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیا گیا۔کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنی موت سے پہلے اپنے لڑکوں کو کچھ وصیت کرنے کے لیے بلایا اور کہا کہ تمہارے لیے میری سب سے اہم وصیت یہ ہے کہ تم آپس میں متحد رہنا دوسری طاقت تم پر غلبہ نہیں حاصل کر سکے گی اور جہاں تم آپسی اختلافات کا شکار ہوئے وہیں سے تمہارا زوال شروع ہو جائے گا۔پھر بادشاہ نے انہیں اتحاد کی برکت اور اختلاف کے نقصانات کو محسوس مثال کے ذریعہ سمجھانے کے لیے خادم کو حکم دیا کہ کسی درخت کی چند شاخیں لے آؤ، خادم شاخیں لے کر حاضر ہوا، بادشاہ نے اپنے تمام لڑکوں کو درخت کی ایک ایک شاخ دی اور کہا انہیں توڑو، سبھی نے اپنی اپنی شاخیں توڑ ڈالیں، پھر بادشاہ نے لکڑیوں کا ایک گٹھر بنایا اور باری باری کر کے اپنے تمام لڑکوں کو دیا کہ اسے توڑیں لیکن کوئی اس گٹھر کو توڑ نہیں سکا۔بادشاہ نے کہا کہ دیکھو جب یہ لکڑیاں منتشر تھیں تم میں سے ہر ایک نے انہیں بلا مشقت توڑ دیا اور جب یہ لکڑیاں اکٹھا ہو گئی ہیں تو تم میں سے کوئی انہیں توڑ نہیں پا رہا ہے۔لہذا جب تک تم آپس میں متحد و متفق رہو گے تم پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر پائے گا اور جہا ں تمہارے درمیان انتشار پھیلا تم پر ذلت کے سائے چھانے لگیں گے۔

اختلاف سماج و معاشرے کی ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔اختلاف سے

آپسی محبت و مؤدت ختم ہو جاتی ہے۔دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں، اپنے بچھڑ جاتے ہیں، خاندان کا خاندان تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور نہ جانے کتنے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں۔

غیر مسلم قوموں میں اتحاد، قوم مسلم کے لیے لمحۂ فکریہ:

آج ہم اپنے گرد و پیش کو دیکھتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم قوموں میں آپسی اتحاد و اتفاق قائم ہے، ان میں ایک دوسرے کے لیے ہمدردی کا جذبہ موجود ہے۔ان میں بھائی چارگی بھی قائم ہے، وہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو جان و مال ہر طرح سے مدد پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، برداشت کرنے کا مادہ بھی ان میں بخوبی موجود ہے۔غیر مسلم قوموں میں قائم اتحاد و اتفاق سے قوم مسلم کو سبق لینا چاہیے کہ قرآن و حدیث دونوں میں مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق اور بھائی چارگی قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر افسوس کہ ہماری پالیسی پر آج غیر قومیں عمل کر کے ترقی کی راہ پر چل رہی ہیں جب کہ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ جب تک قوم مسلم تعلیمات نبوی پر عمل پیرا تھی اتحاد و اتفاق کا دامن تھامی ہوئی تھی تب تک وہ ہر اعتبار سے چین و سکون میں تھی حکومت و سلطنت ان کی مٹھی میں تھی اور دولت و ثروت سے یہ مالا مال تھے۔قیصر و کسریٰ میں ان کی بہادری اور دلیری کی دھاک جمی ہوئی تھی۔مختصر یہ کہ مسلمان پوری دنیا پر حکومت کر رہے تھے، لیکن جیسے ہی انہوں نے تعلیمات نبوی سے غفلت برتی اور اتحاد و اتفاق کا دامن چھوڑا ہے اسی وقت سے انہیں دنیا کی مصیبتوں اور پریشانیوں نے آگھیرا ہے جن سے مسلمان ابھی تک نہیں نکل پائے ہیں۔لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ماضی کو یاد کریں اور تعلیمات نبوی پر عمل پیرا ہو کر اتحاد و اتفاق کی قوت سے اپنے سماج کو بہتر بنائیں۔

اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے چند تجاویز:

اب سوچنا یہ ہے کہ قوم مسلم کے درمیان پھیلے ہوئے ان اختلافات کو کیسے ختم کیا جائے، ان میں اتحاد و اتفاق کیسے قائم کیا جائے، مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی قوت کیسے پیدا کی جائے اور مسلمانوں کو ذلت و رسوائی سے کیسے باہر لایا جائے؟

ان سوالوں کے جوابات تلاش کرنے کے لیے قوم مسلم کو خود غور و فکر کرنا ہوگا، قوم مسلم

کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ تمام سوالات کے جوابات خود تلاش کریں۔ہم یہاں موجودہ اختلافات کے ختم کرنے کے تعلق سے کچھ تجاویز تحریر کررہے ہیں۔

(۱) قوم مسلم کو چاہیے کہ وہ اللہ کی رسی (قرآن وجماعت) کو مضبوطی سے پکڑے اور ان کے احکامات پر عمل پیرا رہے ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔

(۲) قوم مسلم میں مسجدوں اور مدرسوں کے نام پر جو اختلاف رونما ہو چکے ہیں ان کو ختم کریں اور مدارس کے نصاب میں تصوف کی ایسی کتابیں بھی شامل کریں۔جن سے طلبہ کی ذہنی تطہیر ہو اور ان کا ذہن کسی اختلاف وانتشار کی طرف متوجہ نہ ہو۔

(۳) خانقاہوں کے نام پر پیدا شدہ اختلافات کو ختم کرنے کے لیے اس ذہنیت کو فروغ دیں کہ اس روئے زمین پر جتنی بھی سنی صحیح العقیدہ خانقاہیں موجود ہیں سب ہماری ہیں اور سب خانقاہوں سے عقیدت ومحبت اور لگاؤ رکھیں، کسی خانقاہ یا درگاہ کے بارے میں گستاخانہ کلمات استعمال نہ کریں۔خاص کر علمائے کرام اس سے پرہیز کریں۔

(۴) پیروں کے مراتب ودرجات کا بڑھانا یا گھٹانا کسی انسان کے اختیار میں نہیں، بلکہ وہ تو صرف اللہ عز وجل کے دست قدرت میں ہے، وہی اپنے محبوبوں کے مراتب و درجات کو بڑھاتا ہے، کسی انسان کو یہ حق حاصل ہی نہیں کہ وہ اس میں کچھ تصرف کرے۔لہذا اپنے پیروں کے مراتب بڑھانے کے بجائے ہو سکے تو اپنی توجہ سیرت واخلاق پر فوکس کیا جائے جس کی ضرورت زیادہ ہے۔

(۵) ایک بہت ہی بڑا اختلاف یہ بھی ہے کہ علما اپنی ہی جماعت کے دوسرے علما کے خلاف اسٹیجوں میں تقاریر کر کے اختلاف وانتشار پیدا کر رہے ہیں۔حدیث پاک میں ایسے عالموں کے لیے جو ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں سخت وعید آئی ہے۔لہذا علما کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسی تقاریر اور وعظ فرمائیں جس سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ایسی تقریروں سے پرہیز کریں جو اختلاف وانتشار کا باعث ہوں۔

حالات کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان متحد ومتفق ہو کر اپنے وقار کی بحالی کے لیے کوشش کریں اور اختلاف وانتشار سے بچیں۔ ☆☆☆

سیرتِ نبوی کے معاشرتی پہلو

محمد تبریز عالم چشتی جالونی

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس رشد وہدایت کا سرچشمہ اور آپ کی حیات مبارکہ کا ہر پہلو فلاح انسانی کا ضامن ہے،انسانی برادری کو آپ ہی کی پاک سیرت اور بے داغ کردار کی روشنی میں زندگی جینے کا شعور ملا۔آپ کی پاکیزہ زندگی کے ہر باب میں انسانی حیات کے تمام شعبہ جات کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔آپ نے معاشرتی زندگی کے ایسے تابندہ نقوش چھوڑے اور اسے بہتر سے بہتر بنانے کے لیے ایسے خطوط کھینچے ہیں جن پر چل کر انفرادی زندگی کا طریقہ،خاندانی حیات کا شعور،سماجی اور اجتماعی زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھا جا سکتا ہے اور ایک دوسرے کی قدروں کو پہچان کر صاف ستھرا معاشرہ تشکیل دیا جا سکتا ہے۔

ہم ذیل کی سطروں میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انہیں معاشرتی پہلوؤں کو سپرد قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جہاں آپ عام انسان کی طرح معاملاتِ زندگی کو انجام دیتے نظر آتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام خود کر لیا کرتے تھے:

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک مرتبہ کے لحاظ سے اس مقام پر فائز تھی جہاں ساری بلندیاں نیچے رہ جاتی ہیں۔باوجود اس بلند رتبہ کے خداموں کے بیچ شان وشوکت اور شاہانہ کروفر کے ساتھ رہنا پسند نہ کیا اور جس سادگی سے زندگی گزاری دنیا کی ہزاروں شوکتیں اس سادگی پر نثار کی جا سکتی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کام خود کیا کرتے تھے، چھوٹے اور معمولی کام ہوں یا پھر بڑے، خود کرنے کی کوشش کرتے اگرچہ صحابہ کرام کی غیرتِ ایمانی یہ تھی کہ ارادہ مبارک کو دیکھ کر ہی سرگرم عمل ہو جاتے۔راز دار نبوت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

''كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَخِيْطُ ثَوْبَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيَرْقَعُ ثَوْبَهُ وَ يَفْلِيْ دَلْوَه وَيَحْلُبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ''

'ترجمہ۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملبوسات میں کوئی لباس پھٹ جاتا تو آقا علیہ السلام خود ہی اپنے کپڑے سی لیتے، نعلین پاک خود جوڑ لیتے، اگر پانی کی ضرورت ہوتی تو پانی کھینچ لیتے، بکری کا دودھ دوہ لیتے، الغرض اپنے کام کو خود کر لیا کرتے تھے۔ (السیرۃ نبویہ ،ج:۳،ص:۲۳۸)

آپ کا اس طرح زندگی گزارنے کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ عام انسان آپ کی سیرت کے ان بے عیب نمونوں کو دیکھ کر اپنا سفر حیات جاری رکھیں اور ان کی زبان پر یہ شکوہ نہ آئے کہ ہمارے نبی کی سیرت میں ہمارے لیے فلاں میدان میں نمونہ عمل نہیں ہے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا برتاؤ:

مرد عورت کا ملاپ اور دونوں کو رشتہ نکاح میں جوڑنے کا مقصد نسل انسانی کی بقا اور صحت مند معاشرہ کی تشکیل ہے تاکہ دونوں مل کر اپنی اپنی حدود میں رہ کر معاشرہ کی اصلاح میں بھر پور تعاون کریں۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ مرد عورت کے اس رشتہ میں کوئی ضروری نہیں کہ دونوں کے مزاج اور مذاق میں ہم آہنگی ہو اور دونوں کی فطرت ایک ہی نقطہ پر جمع ہو، دونوں کے مزاج میں تضاد بھی ہوسکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں مرد کی صواب دید اور تحمل سے ہی گھر میں ماحول کا توازن برقرار رہ سکتا ہے ورنہ آج بھی بے شمار گھر مرد اور عورت کے مزاج کی ناسازگاری کی وجہ سے جہنم بنے ہوئے ہیں جس کی لپٹیں معاشرہ کو تباہ کر رہی ہیں۔ ایسے حالات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ازدواجی زندگی بہترین نمونہ اور مشعل راہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج سے ہمیشہ نرمی سے پیش آتے، محبت بھری گفتگو فرماتے، ان کا خیال رکھتے، نہ کبھی بے جا جھڑکتے، نہ ذرا ذرا سی باتوں پر ترش روئی سے پیش آتے اگر کوئی کام مزاج کے خلاف ہو جاتا تو نرمی سے تنبیہ فرما دیتے اور کبھی کبھی ازواج مطہرات سے آپ مزاح بھی فرما لیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی، آپ نے قافلہ والوں کو آگے نکل جانے کو فرمایا اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ 'تَعَالِیْ حَتّٰی اُسَابِقَکِ '' آؤ میرے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرو، اس وقت حضرت عائشہ پتلی تھیں اس لیے سبقت لے گئیں، پھر دوبارہ اسی طرح مقابلہ ہوا اس وقت

حضرت عائشہ صحت مند ہو چکی تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سبقت لے گئے پھر فرمایا 'ھٰذَا بَتُلْکَ ' یہ پہلی دوڑ کا بدلہ ہے۔ (السیرۃ نبویہ، ج:۳، ص:۲۴۴)

اسی طرح ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے حجرہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پیالہ میں صحابہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے، حضرت عائشہ کو یہ ناگوار گزرا، آپ نے اس پیالے کو زمین پر اتنی زور سے پھینکا کہ وہ چکنا چور ہو گیا، اس کے بعد خود کھانا پکایا اور پیالے میں کھانا پیش کیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ بھی حضرت عائشہ کو بطور تنبیہ نہیں فرمایا بلکہ مسکرا کر صحابہ سے فرمایا 'غَارَتْ اُمُّکُمْ '' تمہاری ماں بڑی باغیرت ہے، بعد میں حضرت عائشہ خود پشیماں ہوئیں اور معافی کی طلب گار ہوئیں۔ (ضیاء النبی، ص:۳۵۳، ج:۵)

میاں بیوی کے جھگڑوں کو جھیلنے والے خاندان اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج کے ساتھ پیش آنے اور برتاؤ کرنے کے طریقے پر عمل کر لیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ ازواج کے ساتھ نیک سلوک فرماتے بلکہ صحابہ سے بھی بار بار عورتوں کے متعلق حسن سلوک کی تاکید فرماتے چنانچہ حدیث پاک میں ہے۔

''عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَکْمَلُ الْمُوْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِھِمْ''

ترجمہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کامل مومن وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور اپنی بیویوں کو اچھی طرح رکھتا ہو۔ (مشکوۃ المصابیح باب عشرۃ النساء من کتاب النکاح، ج۲، ص:۲۸۲)

آپ کا خلق خدا کی غلطیوں کو معاف کرنا:

خیر خواہی، رواداری، عفو و درگزر اور ایک دوسرے کو معاف کرنے کا جذبہ اگر بیدار ہو جائے تو معاشرہ میں کبھی کوئی ناخوش گوار واقعہ رونما نہ ہو، مگر یہ سب باتیں معدوم ہو چکی ہیں اور ہم اینٹ کا جواب پتھر سے دینے میں اپنی فتح مندی سمجھنے لگے ہیں۔ غیر کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر یا معافی کا تصور بھی ہمارے ذہنوں میں دستک نہیں دیتا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صبر و شکیب اور عفو و درگزر کا مظاہرہ کیا اسے سامنے رکھ کر ہم زندگی کا سفر طے کریں تو قدم قدم پر سکون و اطمینان کے سائے ہمیں اپنی آغوش میں لینے لگیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

رحم دل تھے، اگر کسی سے بھی کوئی غلطی ہو جاتی اور وہ عذر پیش کرتا تو آپ معاف فرما دیتے، اگر آپ کی شان میں نازیبا کلمات کہتا یا پھر تکلیف پہنچاتا تو آپ اسے معاف فرما دیتے، اپنی ذات کے لیے بدلہ کبھی نہ لیتے۔ سرکار کی خطا پوشی اور عفو و درگزر کا یہ واقعہ چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

آقا علیہ السلام ایک کھردری چادرِ مبارک اوڑھے جلوہ افروز تھے کہ ایک اعرابی آیا اور چادر مبارک کو اتنی زور سے کھینچا کہ گردن شریف میں اس کی رگڑ کے نشان بن گئے اور بے حیائی سے بولا۔ ''یَا مُحَمَّدُ اِحْمَلْ لِی عَلٰی بَعِیْرِیْ هٰذَیْنِ مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِیْ عِنْدَکَ'' میرے ان اونٹوں کو اللہ کے اس مال سے جو آپ کے پاس ہے بھر دو۔ مزید بد خلقی سے پیش آتے ہوئے بولا: ''فَاِنَّکَ لَا تَحْمِلُ لِی مِنْ مَالِکَ وَ مَالِ اَبِیْکَ'' اس لیے یہ آپ کا اور آپ کے والد کا مال نہیں ہے جسے آپ لادر ہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی کی جسارت کلام اور بدگوئی پر کسی قسم کی ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار تک نہ کیا بلکہ جب آپ نے اس بدوی سے کہا کہ چادر کھینچ کر تم نے مجھے تکلیف پہونچائی ہے میں تم سے اس کا قصاص لوں گا، تو اعرابی بولا آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ بولا'' لِاَنَّکَ لَا تُکَافِئُ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ'' اس لیے کہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس اعرابی کی اس گفتگو پر مسکرا دیے اور بجائے قصاص لینے کے ارشاد فرمایا کہ اس کے اونٹوں کو سامان سے بھر دو۔ (ضیاء النبی، ج:۵،ص:۳۱۰)

عفو و درگزر کا یہ فیضان دوست و دشمن دونوں پر یکساں رہتا تھا۔ ابوسفیان قبل اسلام رسول کے جانی دشمنوں میں سے تھے۔ رسول اللہ کو تکلیف دیتے اور ایذا رسانی کا کوئی موقع نہ چھوڑتے مگر جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے فتح عطا فرمائی تو باوجود اختیار کے آپ نے اس طرح معاف کیا گویا ان کا کوئی جرم ہی نہ ہو۔ ابوسفیان اس ذرہ نوازی پر بول پڑے۔ ''بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ مَآ اَحْلَمَکَ وَمَآ اَوْصَلَکَ وَمَآ اَکْرَمَکَ'' آپ کتنے حلیم ہیں، آپ کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں، آپ کتنے کریم ہیں۔ (السیرۃ النبویہ، ج:۳،ص:۲۳۶)

مسلمانوں کی برائی ناپسند کرنا:

انسانی فطرت اور اس کی نفسیات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ انسان کو اپنی تعریف اور دوسروں کی برائی اور عیب بیانی بہت پسند ہے۔ ہمارا معاشرہ اس برائی میں بری طرح پھنسا ہوا ہے، چار لوگوں کی مجلس پانچوے کی برائی اور غیبت کیے بغیر ختم ہی نہیں ہوتی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس برائی کے سخت خلاف تھے، کبھی کسی کی برائی نہ کرتے، کسی کی طرف اشارہ اور کنایہ تک نہ کرتے۔ اگر کوئی آپ کے روبرو کسی مسلم بھائی کا کوئی عیب بیان کرتا تو آپ سختی سے منع فرماتے اگرچہ معمولی بات ہی کیوں نہ ہو۔

حدیث پاک میں ہے:۔

ایک مرتبہ حضرت صفیہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں چونکہ آپ پست قد تھیں، آپ کے جانے کے بعد حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیہ تو ایسی ایسی ہیں، یعنی پست قد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا اور تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ڈالا جائے، تو یہ اس پر غالب آ جائے۔ (سنن ابی دوئود، کتاب الادب، باب ذی الوجھین والغیبة، ج:۲، ص:۲۶۸)

یوں ہی جب حضرت معاذ اسلمی رضی اللہ عنہ کے رجم ہونے کے بعد کچھ لوگوں نے ان کی برائی کی اور نازیبا کلمات کہے تو آپ ناراض ہو گئے اور مردار گدھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اسے کھاؤ، انہوں نے عرض کیا یہ بڑا سخت کام ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے بھی زیادہ سخت تمہارا مسلمان بھائی کی برائی کرنا ہے۔ الغرض سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی نہ خود برائی اور غیبت کرتے نہ دوسروں سے سننا پسند کرتے، نیز صحابہ سے اس کی ہولناکیوں کو بیان فرماتے تاکہ وہ بھی اس قبیح فعل سے دور رہیں۔ ایک مجلس میں فرمایا۔

''اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ وَکَیْفَ الْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَزْنِیْ فَیَتُوْبُ فَیَغْفِرُ اللهُ لَهٗ وَاَنَّ صَاحِبَ الْغِیْبَةِ لَا یَغْفِرُ لَهٗ حَتّٰی یَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ''

ترجمہ۔ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیسے؟ فرمایا انسان زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دیتا ہے، مگر غیبت کرنے والے کو اللہ

تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے۔(مشکوٰۃالمصابیح، باب حفظ اللسان ،ج:۲،ص:۴۱۵)

پڑوسیوں کے ساتھ آپ کا حسن سلوک:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے یوں تو آپ ہر انسان کی خیر خواہی فرماتے اور آپ ان کی ضرورتوں کو پورا فرماتے مگر اپنے پڑوسیوں کا خاص خیال فرماتے تھے۔اگر پڑوسیوں میں کوئی پریشان ہوتا تو اس کی پریشانی دور فرماتے،اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو اس کی مزاج پرسی اور عیادت کو تشریف لے جاتے۔اس سلسلہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز نہ کرتے۔اگر یہودی بیمار ہوتے تو ان کی بھی عیادت کو تشریف لے جاتے۔اس انداز سے کہ وہاں مریض کے دل بہلانے والی گفتگو اور تسلی بخش جملے ارشاد فرماتے۔مشکوٰۃ شریف میں ہے آپ کہ ایک اعرابی کی عیادت کو تشریف لے گئے،انہیں اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا۔’’لاَبَاسَ طُهُوْرٌ انشاء الله تعالیٰ ‘‘ گھبراؤ نہیں ہر مرض گناہوں سے پاک کرنے والا ہے ان باتوں سے مریض ذہنی اور قلبی سکون محسوس کرتا ہے۔(مشکوٰۃ المصابیح،باب عیادۃ المریض،ص:۱۳۴)

جب آپ کے کاشانہ اقدس پر سالن بنتا تو اس موقع پر آپ پڑوسیوں کو نہ بھولتے۔اہل خانہ کو حکم دیتے شوربہ زیادہ کرلیں تاکہ پڑوسیوں کو بھی کچھ کھانا پہونچا دیا جائے۔اخلاق اور خندہ پیشانی سے ملتے،ملاقات کے وقت سلام کرنے میں پہل فرماتے انتظار نہ کرتے کہ وہ پہلے سلام کرے۔اگر کہیں بچے مل جاتے تو ان سے بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے سلام فرماتے۔

حدیث پاک میں ہے۔

’’اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَرَّعَلىٰ غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ ‘‘

ترجمہ۔بے شک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بچوں کے پاس سے گزرے اور ان سے سلام کیا۔(مشکوٰۃ باب سلام ،ص:۳۹۷)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ سلام کرنے کے بعد آپ صحابہ کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور خیر و برکت کی دعا فرماتے،اگر کسی کا وصال ہو جاتا تو جنازہ میں حاضر ہوتے،بلکہ خود ہی نماز جنازہ پڑھاتے،گھر والوں سے تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے۔اگر کوئی نادار ہوتا تو اس کے

کفن و دفن کا انتظام فرماتے،غرض ہر ہر طرح سے پڑوسیوں کا خیال فرماتے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح فرمانا:

مزاح انسانی فطرت کا داعیہ ہے جس کے بغیر اس کی زندگی بے کیف اور بد مزاح سی معلوم ہوتی ہے،مگر یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ مزاح در مزاح کا یہ سلسلہ اکثر آپسی شکر رنجی اور نفرت پر جا کر ٹوٹتا ہے جس کا نتیجہ بعض صورتوں میں بڑا خطرناک ہوتا ہے،اس کی وجہ مذاق اور تفریح کے وقت جھوٹ بولنا اور ایک دوسروں کو غیروں کے سامنے رسوا کرنا اور نیچا دکھانا ہے مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح بالکل صاف ستھرا اور لطیف باتوں سے بھرا ہوتا۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے:۔

’’عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ لِاِمْرَاتِهٖ عَجُوْزٌ اَنَّهٗ لاَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ ‘‘

ترجمہ۔ایک بوڑھی عورت سے آپ نے فرمایا کہ ضعیف عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی،وہ بوڑھی عورت حیران ہوئی کہ اب کیا ہوگا میں تو جنت سے محروم ہوگئی۔پھر سرکار دو عالم صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا گھبراؤ نہیں جنت میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں جوان کر دیا جائے گا وہاں کوئی ضعیف نہیں رہے گا۔(مشکوٰۃالمصابیح، باب المزاح ،ج:۲،ص:۴۱۶)

حاصل کلام یہ ہے کہ آپ نے فرد ہونے کی حیثیت سے اور ایک شوہر ہونے کی حیثیت سے اور سماج کا رکن ہونے کی حیثیت سے اس طرح زندگی گزاری کہ آج کے معاشرہ کی روش انہیں نقوش پر ہو جائے تو معاشرہ خوش گوار اور صحت مند ہو جائے۔

☆☆☆

خواجہ غریب نواز اور ہندوستان میں تبلیغ اسلام

محمد سیف چشتی گوپی گنجوی

اسلام صرف نماز، روزہ اور دیگر رسومات کے مجموعہ کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلام ایک ابدی اور کائنات کی سب سے اہم سچائی کا نام ہے ایک ایسی سچائی جس پر دنیا وآخرت کی ہر کامیابی کا دارومدار ہے اور وہ ہے مخلوق کو اپنے اصل خالق کی معرفت کا پتہ دینا، یہی وہ مقصد اور ہدف ہے جسے اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس خاکدانی گیتی پر تشریف لائے، آپ نے کائنات کی اس اٹل حقیقت سے پوری دنیا کو روشناس کرانے کے لیے ''دعوت و تبلیغ'' کا راستہ اپنایا اور جو لوگ آپ سے جڑتے گئے انہیں بھی اس '' دعوتی مشن'' کو آگے بڑھانے کی ترغیب دی نتیجۃً نہ صرف آپ کے مبارک زمانہ میں تبلیغ وارشاد کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا جاتا رہا بلکہ آپ کی ظاہری وصال کے بعد بھی ہر دور میں ایسی شخصیات پیدا ہوتی رہیں جنہوں نے آپ کے نقش قدم پر چل کر اسلامی پیغام کو پہنچانے میں اپنی زندگی کا ہر ہر لمحہ وقف کر دیا انہیں شخصیتوں میں ایک اہم نام آتا ہے خواجہ خواجگان، فخر ہندوستان خواجہ سید معین الدین چشتی سنجری رضی اللہ عنہ کا جنہوں نے اپنی مساعی جمیلہ اور دعوت وارشاد کے ذریعہ اسلام کی عزت و شوکت کا ایسا ڈنکا بجایا کہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں آج بھی اس کی گونج سنائی دیتی ہے، تاریخی ذرائع سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ہندوستان میں تشریف آوری سے پہلے ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں اسلام کا تعارف ہو چکا تھا مگر ہند میں اسلام کو مکمل شباب وعروج خواجہ غریب نواز کی بدولت حاصل ہوا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ ذیل کی سطور میں آپ کی تبلیغی خدمات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ولادت مبارک:

حضور خواجہ غریب نواز کی ولادت باسعادت ۱۴/رجب المرجب ۵۳۷ھ مطابق ۱۱۴۲ء سجستان کے قصبہ سنجر میں ہوئی والد ماجد کا نام غیاث الدین خواجہ سید حسن ہے جو حسینی سادات سے تھے۔ علم وفضل اور نجابت وشرافت میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حسینی سادات سے

تھیں۔ اس لحاظ سے آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔

تعلیم وتربیت:

آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ سید غیاث الدین حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی تربیت خصوصی طور پر خود فرمائی۔ آپ اسی تربیت کے بدولت اخلاق وکردار کی بلندیوں کو پہنچ گئے۔ نو برس کی عمر شریف میں قرآن پاک حفظ فرمالیا اس کے بعد آپ نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم پر توجہ دی اور دیکھتے ہی دیکھتے مذکورہ علوم میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ جس وقت آپ نے عمر شریف کی پندرہویں دہلیز پر قدم رکھا تو آپ کے والد بزرگوار کا سایہ شفقت ومحبت اٹھ گیا اور ورثہ میں ایک باغ اور پن چکی ملی۔ آپ اسی باغ کی باغبانی فرمایا کرتے تھے، یہی آپ کا ذریعہ معاش تھا، اس باغ کی آمدنی سے آپ آسودہ زندگی گزارا کرتے تھے۔ لیکن آپ کا دل ان کاموں میں نہیں لگ رہا تھا ایک دن آپ باغ کی سچائی میں مصروف تھے، اسی درمیان آپ کے باغ میں اپنے وقت کے مجذوب کامل ابراہیم قندوزی تشریف لائے۔ آپ نے ان کا بہت اکرام فرمایا اور بیٹھنے کو کہا وہ بیٹھ گئے انگور کا ایک تازہ خوشہ ابراہیم قندوزی کی بارگاہ میں پیش کیا۔ وہ بہت خوش ہوئے چوں کہ صاحب کشف مجذوب تھے، حضرت خواجہ غریب نواز کا حال معلوم کر لیا لہٰذا بغل مبارک سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا چبا کر آپ کے منھ میں ڈال دیا۔ حضرت سلطان الہند نے اس کو تناول فرمایا تو دل کی دنیا بدل گئی۔ اب کیا تھا جو کچھ تھا ساری جائداد کو راہ خدا میں فقرا ومساکین کے درمیان تقسیم کر دیا۔ پھر حصول علم کے لیے سمرقند روانہ ہوئے۔ علمی کمال حاصل کرنے کے لیے مولانا شرف الدین کے درس میں شرکت فرمائی اور مروجہ علوم فنون میں یدطولیٰ حاصل کر لیا۔

بیعت واجازت اور مرشد برحق:

حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے ۵۵۲ھ میں آپ کو شرف بیعت سے نوازا۔ آپ کو اپنے فیوضِ روحانی سے بھی مالامال کیا۔ آناً فاناً تمام مدارج سلوک طے کرا دیے۔ اس لیے کہ خواجہ عثمان ہارونی نے آپ کی عروج واقبال کو بھانپ لیا تھا اس کے بعد خواجہ عثمان ہارونی نے آپ کو عرصہ دراز تک اپنی خدمت میں رکھ کر ریاضت ومجاہدات کے تمام مراحل طے کرائے، پھر اجازت و خلافت عطا کرنے کے بعد اپنے ہمراہ مکہ اور مدینہ کا بھی سفر کروایا خود خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں

کہ میرے پیرومرشد جب بغداد سے روانہ ہوئے تو میں بھی حضرت کے ساتھ تھا مکہ معظّمہ پہنچا تو مجھے کعبہ کے پرنالہ کے پاس لے گئے اور میرے لیے خدائے پاک سے دعا فرمائی۔ایک آواز آئی کہ ہم نے تیرے معین کو قبول کیا۔جب مدینہ طیبہ بارگاہ رسول مقبول میں حاضر ہوئے، حکم دیا، سلام کرو میں نے سلام عرض کیا۔روضۂ مبارک سے آواز آئی وعلیکم السلام یا قطب المشائخ۔اے معین الدین ہم نے تمہیں اپنے دین کا معین بنایا اور تمہیں ہندوستان کی بادشاہی عطا کی۔

ہندوستان میں آمد:

خواجہ غریب نواز بغداد ہرات تبریز بلخ ہوتے ہوئے غزنی ہندوستان تشریف لائے۔ لاہور پہنچے تو حضرت سیدنا داتا گنج بخش کے مزار پر حاضری دی۔چالیس دن تک وہاں چلا فرمایا۔ واپس ہوتے ہوئے آپ نے راستے میں حضرت داتا گنج کی شان میں یہ شعر کہا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں راں پیر کامل کاملان را رہنما

لاہور سے جب آپ اجمیر کے لیے تشریف لائے تو دہلی کے راستے سے سفر ہوا، لہذا دہلی میں کئی روز آپ نے قیام فرمایا جس کی بدولت دہلی میں بہت سے بت پرستوں نے اسلام قبول کیا۔ایک روایت کے مطابق اس قیام میں تقریباً سات سولوگوں نے اسلام قبول کیا۔

دعوت وتبلیغ اور راجہ پرتھوی راج:

دہلی سے آپ اجمیر کی جانب روانہ ہوئے۔سرزمین ہند میں اجمیر کفر وشرک اور بت پرستی کا مرکز ومحور بنا ہوا تھا۔غریب نواز کے ورود مسعود سے ہندوستان میں ایک غیر معمولی روحانی اور اخلاقی انقلاب رونما ہوا، دین حق نے اس کفرستان پر ایک ہمہ گیر حیثیت حاصل کر لی جب غریب نواز اجمیر تشریف لائے اس وقت ہندوستان کی سیاسی طاقت واقتدار کی باگ ڈور ہندو راجاؤں کے ہاتھ میں بھی جو سرکشی اور تکبر میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔شہر اجمیر میں چوہان خاندان کا مشہور راجہ پرتھوی راج حکومت کررہا تھا، اس کے زیر حکومت دہلی کا مشہور شہر تھا جیسا کہ مذکور ہوا کہ اجمیر اس وقت سیاسی ومذہبی اعتبار سے قوت واقتدار کا سنگم تھا، جس کی وجہ سے پرتھوی راج ہر وقت نشہ پندار میں مست رہتا تھا، جنگ تیراوی میں سلطان شہاب الدین غوری نے جب

ہندوستان پر حملہ کیا تھا تو غوری لشکر پر پرتھوی راج کو فتح حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ تمام ہندوستان پر اپنی بہادری وشجاعت کا لوہا منوا چکا تھا اور بہت ہی مغرور بھی ہو گیا تھا۔لہذا ایسے حالات میں خواجہ غریب نواز کی ہندستان میں آمد فضل خداوندی ہی تھی۔خواجہ غریب نواز ۵۸۷ھ میں اجمیر داخل ہوئے تھے، تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنی روحانی طاقت وقوت کے ذریعہ پرتھوی راج کا غرور اس کی فرعونیت کا نشہ اتارا جا سکے۔آج کل احاطہ درگاہ میں ایک چھوٹی سی مسجد جو مسجد اولیا کے نام سے مشہور ہے، یہی مسجد اجمیر میں خواجہ غریب نواز اور آپ کے ساتھیوں کی پہلی نشست گاہ تھی، حضرت سلطان الہند وہاں سے اٹھ کر انا ساگر تشریف لائے یہاں پر بہت سے مندر تھے، راجہ پرتھوی راج ہر مہینے پوجا کے لیے آتا تھا۔پجاریوں نے آپ کو دیکھا تو دل ہی دل میں آپ کے اور آپ کے قافلے سے جلنے لگے، پر زبان سے کچھ بولنے کی جرأت نہ کر سکے، ادھر خواجہ غریب نواز نے تبلیغ کا کام بھی شروع کر دیا۔آپ نے مثالی اخلاق وکردار کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے درجنوں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، خاص کر رام دیو جو ایک بڑا پنڈت اور سنت شمار کیا جاتا تھا وہ آپ کی توجہ خاص سے مسلمان ہو گیا۔

اس کے ساتھی یہ واقعہ دیکھ کر انگشت بدنداں ہو گئے، کیوں کہ رام دیو ایک بااثر انسان تھا لہذا جب لوگوں نے دیکھا کہ وہ خود مسلمان ہو گیا تو شہر کے بے شمار افراد نے دست خواجہ پر اسلام کو قبول کیا ادھر خواجہ غریب نواز نے راجہ کو اسلام کی دعوت کا پیغام کہلا بھیجا جس سے وہ مشتعل ہو گیا اور جواباً اپنے سپاہیوں سے کہلایا کہ شہر خالی کر دو ورنہ بزور قوت باہر نکال دیا جائے گا۔جب حضرت خواجہ صاحب کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا۔

پتھورا را زندہ گرفتیم ودادیم

اجمیر میں خواجہ کی تبلیغ کی سرگرمیاں بہت تیز تھیں۔ادھر شہاب الدین غوری دوبارہ ہندوستان پر حملہ کی تیاری کررہا تھا خواجہ غریب نواز نے اس کو خواب میں بشارت دی، اٹھو حق کی فتح ہو گی ادھر پرتھوی راج کے ستارۂ اقبال کے غروب ہونے کا وقت قریب آ چکا تھا، جس روز اس نے حضرت سلطان الہند کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہا اسی روز حاکم دہلی کھانڈے راؤ نے پرتھوی راج کو خبر دی کہ شہاب الدین غوری ایک عظیم لشکر کے ساتھ ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری میں

ہے، پرتھوی راج نے ہندوستان کے تمام ہندو راجاؤں کو قومی اور مذہبی غیرت دلا کر تقریباً چار لاکھ کا لشکر تیار کرلیا اور تروڑی کے میدان میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔۵۸۸ھ کو لڑائی شروع ہوئی، نصرت خداوندی شامل حال تھی۔ حضرت خواجہ کی بشارت پوری ہوئی اور سلطان شہاب الدین غوری نے پرتھوی راج کو شکست فاش دی اور پرتھوی راج زندہ گرفتار ہوا۔ یہاں پر خواجہ کا قول سچا ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔

پتھورا را زندہ گرفتیم ودادیم

جنگ کے بعد جاگیروں قلعوں کی حاکمیت گورنری دیتا ہوا سلطان شہاب الدین شہر اجمیر پہنچا غریب نواز کے متعلق اس کو خبر ہوئی تو زیارت کی غرض سے حاضر ہوا، دیکھتے ہی دم بخود رہ گیا کہ جس نے آپ کو خواب میں بشارت دی تھی وہی آپ کے سامنے جلوہ افروز تھے۔ کئی دنوں تک سلطان شہاب الدین آپ کی بارگاہ میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کرتا رہا، چونکہ اجمیر ہندوستان کا سیاسی و مذہبی مرکز تھا اور اب اس نے خواجہ غریب نواز کی بدولت فتح کرلیا تو اس طرح پورے ملک ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت کا دور شروع ہوگیا گویا کہ ملک ہند میں اسلام خواجہ کی آمد سے قبل آچکا تھا، بہت سے بزرگان دین اپنے قدوم میمنت لزوم سے ارض ہند کو شرف یاب کرچکے تھے اور ان کی مساعی جمیلہ سے سندھ کے علاقے میں خال خال مسلمان نظر آنے لگے تھے لیکن کرڑوں غیر مسلموں کے بیچ وہ نہ کے برابر تھے، لہذا خواجہ غریب نواز کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ظلمت کدہ ہند کو دین کی روشنی کے ساتھ ساتھ سلطنت اسلام کا ایک عظیم الشان قلع بنا دیا اور کیوں نہ ہو کہ پروردگار اپنے محبوب کے وعدے کو پورا کررہا تھا کہ "اے معین الدین ہم نے تمہیں ہندوستان کا مالک بنایا ہے" یہی وجہ ہے کہ اکثر تذکرہ نگاروں نے خواجہ غریب نواز کو ہندوستان میں اسلام کا پہلا داعی بھی لکھا ہے۔

۶؍رجب المرجب ۶۳۳ھ کو یہ آفتاب ولایت بظاہر اپنی کرنوں کو سمیٹ کر واصل بحق ہوگیا ہے۔ مگر آپ کا فیضان آج بھی بلا تفریق اور استثنا عام ہے۔

☆☆☆

اسلام کی تبلیغ واشاعت میں انصار و مہاجرین کی قربانیاں

محمد معین اشرف برکاتی فتح پوری

اسلام کی تبلیغ واشاعت میں جن نفوس قدسیہ نے بنیادی کردار ادا کیا ان میں انصار و مہاجرین کا نام سرفہرست ہے۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ان جاں نثاروں کی ایسی تربیت فرمائی کہ یہ حضرات کسی بھی موقع پر اسلام کی نصرت وحمایت سے پیچھے نہیں ہٹے، انہوں نے نہ صرف مال ودولت، گھربار بلکہ اپنی اولاد اور خود کی قیمتی جانوں کو خدا کے نام پر قربان کرکے شجر اسلام کی آبیاری فرمائی، ان عاشقان مصطفیٰ نے اسلام کی بقا و تحفظ اور اس کے پیغام کو اطراف عالم میں پہنچانے کے لیے کس حیرت انگیز جذبہ ومحبت سے عظیم قربانیاں پیش کیں اس کی داستان نہ صرف یہ کہ حیرت میں ڈالنے والی ہے بلکہ قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے مشعل راہ اور عبرت کا سامان ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم انصار و مہاجرین کی خدمات پر خامہ فرسائی کی ادنیٰ کوشش کررہے ہیں۔

انصار ومہاجرین کون ہیں:

جو مسلمان مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے انہیں مہاجرین کہا جاتا ہے اور مدینہ منورہ کے مسلمان جنہوں نے مہاجرین کی مدد کی انہیں انصار کہا جاتا ہے۔

انصار ومہاجرین میں رشتہ اخوت:

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال انصار و مہاجرین کے درمیان ایک ایسا رشتہ قائم کردیا جس کے بعد انصار مہاجرین کے لیے اور مہاجرین انصار کے لیے حقیقی بھائی بن گئے اور اس رشتہ اخوت کی بنا پر مہاجرین اور انصار ایسے متحد ہوئے کہ پھر اس کے بعد دنیا کی کوئی طاقت انہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کرسکی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم کردہ انصار ومہاجرین کے درمیان یہ رشتہ تاریخ میں عہد مواخات کے نام سے مشہور ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

مکہ کے مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر دین کی حفاظت کے لیے مدینہ آئے تھے، اس لیے انہیں تنہائی کا احساس ہوتا تھا یہ لوگ اب تک انصار کے مہمان تھے۔ انصار دل و جان سے ان کی مہمان نوازی کرتے، لیکن مہاجرین دیر تک کسی کے سہارے نہیں رہنا چاہتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھانا پسند کرتے تھے، اس لیے اب یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کی کمائی کے لیے کوئی انتظام کیا جائے۔ یہ ضرورت پوری کرنے کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوچا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی بھائی کا رشتہ قائم کر دیا جائے تا کہ ان کی تنہائی دور ہو جائے اور کمائی کا ذریعہ بھی مہیا ہو جائے۔ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں تمام انصار اور مہاجرین کو جمع کیا اور انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں پھر مہاجرین اور انصار میں سے ایک کو بلاتے اور فرماتے کہ تم بھائی بھائی ہو، مدینہ کے مسلمانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی سچی محبت تھی کہ آپ جس چیز کا حکم دیتے انصار اسے فوراً بجالاتے، جب انہیں رسول کے دین سے محبت تھی تو رسول کے قائم کئے ہوئے رشتے کو دل سے کیوں نہ قبول کرتے۔ اس لیے انہوں نے اس بھائی چارے کو خوب اچھی طرح نبھایا، انصار اپنے اپنے مہاجر بھائی کو گھر لے گئے، گھر کا سارا سامان سامنے لاکر رکھ دیا اور کہا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اس لیے سامانوں میں سے آدھا آپ کا ہے اور آدھا ہمارا، یہاں تک کہ گھر اور کھیتی میں بھی آدھا آدھا کر دیا، ان کے درمیان حقیقی بھائیوں سے بھی زیادہ محبت ہو گئی تھی جس کی مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے بھائی بنائے گئے تھے انہوں نے اپنا پورا سامان آدھا آدھا کرنے کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے کہا کہ میرے پاس دو بیویاں ہیں ان میں سے جسے آپ پسند کریں میں اسے طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں لیکن آپ نے فرمایا اے بھائی آپ کے مال و اسباب اور اہل و عیال آپ کو مبارک مجھے تو آپ صرف بازار بتا دیجئے۔ انہوں نے مدینہ کے مشہور بازار قینقاع کا راستہ بتا دیا آپ بازار گئے گھی اور پنیر خرید کر بیچنا شروع کیا، اب روز کا یہی معمول بن گیا، اللہ تعالیٰ نے اس تجارت میں اتنی برکت دی کہ تھوڑے ہی دنوں میں بہت سارا مال اکٹھا کر لیا شادی کر کے اپنا گھر بھی بسا لیا، یہاں تک کہ

مدینہ منورہ کے بڑے مالداروں میں ان کا شمار ہونے لگا ایسے ہی دوسرے مہاجرین بھی اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کپڑے کی تجارت کر لی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تجارت میں لگ گئے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کھجور کی تجارت کر لی۔ اس طرح سے سب لوگ دھیرے دھیرے اپنے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے اور سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔

بدر کے میدان میں انصار و مہاجرین کی جاں بازی:

بدر کے موقع پر انصار و مہاجرین نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا، یہ اسلام کی پہلی باقاعدہ جنگ تھی جس کی فتح و کامیابی پر اسلام کی بقا کا دارومدار تھا کفار پوری قوت و توانائی اور سامانِ جنگ کی فروانی کے ساتھ بدر کے میدان میں جمع ہوئے تھے تا کہ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ جنگ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ سب سے پہلے عمرو بن حضر کا بھائی عامر بن حضر جو اپنے بھائی کے خون کا بدلہ لینا چاہتا تھا آگے بڑھا اور اس نے للکار کر اپنے مدمقابل کو طلب کیا۔ پھر عتبہ شیبہ اور ولید جو مشہور جنگجو تھے میدان میں آئے، جن کے مقابلے کے لیے حضرت علی، حضرت حمزہ اور عبیدہ بن الحرث آگے بڑھے، اس انفرادی مقابلے میں عتبہ اور ولید تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کے ہاتھ سے مارے گئے، لیکن شیبہ نے عبیدہ کے ایسا کاری زخم لگایا کہ عبیدہ زمین پر گر پڑے، یہ دیکھ حضرت علی آگے بڑھے اور آپ نے شیبہ کا بجلی کی سرعت کے ساتھ کام تمام کر دیا اور عبیدہ بن الحرث کو جو بہت بری طرح زخمی ہو گئے تھے کاندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے عبیدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ حضور نے ارشاد فرمایا تم نے شہادت پالی یہ سنتے ہی عبیدہ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور داعی اجل کو لبیک کہا۔

انفرادی جنگ کے بعد اجتماعی جنگ چھڑ گئی دونوں طرف سے صفیں ٹوٹ پڑیں اور بری طرح خونریزی ہونے لگی۔ دو انصاری نوجوان معوذ رضی اللہ عنہ اور عفرار رضی اللہ عنہ ابوجہل کی طاق میں تھے انہوں نے نظر پڑتے ہی ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔ ابوجہل کا لڑکا معوذ پر جھپٹ پڑا اور تلوار سے ایسا وار کیا کہ انکا ہاتھ شانہ سے کٹ کر الگ ہو گیا صرف تسمہ لگا رہ گیا مگر معوذ پھر بھی

لڑتے رہے،ابوجہل اور عتبہ کے قتل ہوتے ہی کفار مکہ کے لشکر میں بدحواسی پھیل گئی، سارا لشکر ادھر ادھر بھاگنے لگا اور آخر کار کفار کو اس جنگ میں شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔

اس جنگ میں کفار مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے گئے،جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔سالار لشکر عتبہ بن ربیع شیبہ،ابوجہل،زمعہ بن اسود،عاص بن ہشام اور امیہ بن خلف مع ان سرداروں کے کفار کے ستر (۷۰) آدمی مارے گئے اور اسی (۸۰) گرفتار ہوئے۔مسلمانوں میں صرف چودہ (۱۴) شخصوں نے شہادت پائی،جن میں سے چھ (۶) مہاجر اور آٹھ (۸) انصار تھے

اس جنگ میں مہاجرین و انصار نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت میں ایثار اور قربانی کی کیسی مثالیں قائم کی تھیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیق اپنے بڑے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کے بالمقابل جنگ لڑ رہے تھے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مخالفین کے لشکر میں شامل تھے۔لڑائی کے دوران جب حضرت ابوبکر بیٹے کی تلوار کی زد میں آگئے تو بیٹے نے طرح دے دی۔کچھ زمانہ کے بعد جب عبدالرحمٰن مسلمان ہوگئے اور اس واقعہ کا ذکر آیا تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن تم نے تو طرح دے دی تھی اگر اس وقت تم میری تلوار کی زد میں آجاتے تو اسلام کے مقابلہ میں اولاد کی قطعی پرواہ نہ کرتا اور تم کو دشمن اسلام سمجھتے ہوئے تمہاری گردن اڑانا اپنا فرض خیال کرتا۔

اسلام کی یہ سب سے پہلی جنگ مسلمانوں کی شاندار فتح پر ختم ہوئی اور کفار کو کثرت تعداد کے باوجود بری طرح شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔

غزوہ تبوک میں انصار و مہاجرین کی جاں نثاری:

آٹھویں ہجری میں موتہ کی جنگ میں رومی سردار شرجیل غسانی کے ایک لاکھ لشکر کو صرف تین ہزار مسلمانوں نے بری طرح شکست دے دی تھی۔اس شکست کے بعد رومی سردار شرجیل اس قابل نہیں رہا تھا کہ وہ دوسرے رومی سرداروں کو منھ دکھا سکے۔چنانچہ شکست کی اس ذلت کو مٹانے کے لیے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک مرتبہ پھر مسلمانوں سے جنگ کر کے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔اس غرض کے لیے شرجیل غسانی نے ایک لشکر عظیم فراہم کر کے ہرقل روم سے مزید فوجی امداد طلب کی تو ہرقل نے چالیس ہزار کا لشکر جرار شرجیل غسانی

کی امداد کے لیے بھیج دیا۔شرجیل غسانی نے منافقین مدینہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا تاکہ یہ منافقین مسلمانوں کو رومی طاقت سے خوف زدہ کر کے جنگ میں شامل ہونے سے ان کو برابر روکتے رہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شرجیل غسانی کے ان ارادوں کا علم ہوا تو آپ نے بھی نہایت وسیع پیمانہ پر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔اس موقع پر آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس جنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ مالی امداد دیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر ہر طرف سے روپیہ برسنے لگا۔تقریبا ہر مسلمان نے اپنا نصف اثاثہ دے ڈالا۔فدا کاران اسلام نے کس دریا دلی سے اس جنگی امداد میں حصہ لیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ اور سو گھوڑے مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار طلائی دیے تھے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا تمام مال واسباب لاکر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا تھا،حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنا نصف مال لاکر حاضر کر دیا تھا، یہاں تک کہ غریبوں نے بھی اپنا سب کچھ لاکر حضور کے سامنے پیش کر دیا تھا۔جب اس طرح جنگ کے لیے بہت بڑا سرمایہ فراہم ہوگیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مجاہدین اسلام کے لشکر کو لیکر رجب ۹ھ میں مدینہ سے سرحد شام کی جانب روانہ ہوئے چونکہ آپ یہ چاہتے تھے کہ رومی سلطنت کے ساتھ یہ عظیم الشان جنگ خود رومیوں کے گھر میں گھس کر لڑی جائے،اس لیے یہ لشکر سرحد شام پر پہونچنے کے بعد چشمۂ تبوک پر خیمہ زن ہوگیا،تبوک مدینہ سے چودہ پندرہ منزل پر تھا۔

مجاہدین اسلام کا خیال تھا کہ ان کو سلطنت رومی کے لشکر عظیم سے بڑی زبردست ٹکر لینی ہوگی،لیکن یہاں پہونچنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ میدان صاف ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ روم اور شرجیل غسانی پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ انہیں مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔حالانکہ اسلامی لشکر کی جانب سے رومی سرداروں کو بار بار مقابلہ کی دعوت دی گئی۔حضور اکرم نے بیس دن رومیوں کے انتظار میں تبوک میں قیام کیا لیکن جب آپ کو معلوم ہوگیا کہ عیسائی مسلمانوں سے لڑنا ہی نہیں چاہتے تو آپ نے بھی پہل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔خیر بتانا یہ مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں جتنی بھی

جنگیں ہوئیں خواہ وہ جنگ خندق ہو یا جنگ تبوک ہو یا پھر جنگ خیبر سب میں انصار و مہاجرین کی خدمات اور قربانیاں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں اور نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری بلکہ آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد بھی قربانیوں کا یہ سلسلہ اس آب وتاب کے ساتھ جاری رہا اور اسلام کا آوازہ زمین کے گوشے گوشے میں گونجنے لگا۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کوئی بھی ذکر انصار و مہاجرین کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا ہے۔ عنوان میں وسعت تو اتنی ہے کہ اس موضوع پر کئی جلدیں تیار ہو جائیں مگر ہم اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں، صفحات کی تنگی ہمیں مزید اجازت نہیں دے رہی ہے۔

☆☆☆

نماز کی فضیلت واہمیت

محمد راحت علی چشتی افسریا

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر متعدد فرائض عائد کیے ہیں جن کا بجالانا ہر بندۂ مومن پر لازم وضروری ہے۔ مثلاً حج، زکوۃ، روزہ وغیرہ لیکن ان تمام فرائض وعبادات میں سب سے اہم عبادت نماز ہے، نماز کو افضل العبادات ہونے کا شرف حاصل ہے۔ نماز کی بے پناہ فضیلت کے باعث جہاں اور عبادتوں کا حکم دیا گیا ہے وہاں خصوصیت اور تاکید سے نماز کا بھی حکم دیا گیا ہے اور بار بار نئے عنوانات کے ساتھ نماز کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے، کہیں اس طرح ارشاد فرمایا گیا۔ نماز قائم کرو، کہیں اس انداز سے حکم فرمایا کہ نماز اور صبر سے مدد طلب کرو، کسی جگہ یوں حکم فرمایا کہ اے ایمان والو اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کا اہتمام کرو۔ عبادات میں جتنی نماز کی تاکید کی گئی ہے اتنی کسی بھی عبادت کی نہیں کی گئی ہے۔ آیات قرآنیہ کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہ میں بھی نماز کی تاکید کی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی بار بار تاکید فرمائی اور ارشاد فرمایا:۔

”قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ اَنَّ نَھْرًا بِبَابِ اَحَدِکُمْ یَغْتَسِلُ فِیْہِ کُلَّ یَوْمٍ خَمْسًا ھَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِہٖ شَیْئٌ قَالَ فَذٰلِکَ مِثْلُ الصَّلٰوۃِ الْخَمْسِ یَمْحُوْ اللّٰہُ بِھِنَّ الْخَطَایَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ“ (مشکوۃ شریف، ص:۵۷)

ترجمہ۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا اگر کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو اس کے جسم پر میل رہے گا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے بدن پر میل بالکل نہیں رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ جو شخص خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ مٹا دے گا، گویا کہ اس نے گناہ کیے ہی نہ ہوں، یعنی کے اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں کے میل سے بالکل پاک وصاف فرما دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔” اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَمْ

تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ'' (مشکوٰۃ شریف،ص:۱۱)

تم نماز اس طرح پڑھو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

حج بھی ایک عبادت ہے لیکن وہ صاحب مال پر عمر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، یوں ہی زکوٰۃ بھی صاحب نصاب پر سال میں ایک بار ادا کرنے کا حکم ہے، اور روزہ بھی بارہ مہینوں میں صرف ایک مہینہ رکھنے کا حکم ہے لیکن نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کو سال اور مہینے میں نہیں بلکہ دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

خطیب ابن نجار کی حدیث میں ہے کہ نماز اسلام کی علامت ہے، جس کا دل نماز کی طرف متوجہ رہا اور اس نے تمام شرائط وضوابط کے ساتھ نماز ادا کی وہی سچا مومن ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''عَنْ اَبِی قَتَادَةَ بْنِ رِبْعِیٍّ اَخْبَرَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ اِفْتَرَضْتُ عَلٰی اُمَّتِکَ خَمْسَ صَلٰوٰتٍ وَ عَهِدْتُّ عِنْدِیْ عَهْدًا اَنَّهٗ مَنْ حَافَظَ عَلَیْهِنَّ لِوَقْتِهِنَّ اَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَّمْ یُحَافِظْ فَلَا عَهْدَ لَهٗ عِنْدِیْ'' (سنن ابن ماجه شریف، باب ماجاء فی فرض الصلوٰة الخمس والمحافظة علیهاص:۱۰۲)

ترجمہ۔حضرت ابو قتادہ بن ربعی سے مروی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے آپ کی امت پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اور یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ جو شخص ان پانچ نمازوں کو ان کے صحیح وقتوں پر ادا کرے گا اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو شخص اس میں کوتاہی وسستی کرے گا اس کو جہنم کے سب سے نیچے طبقہ میں داخل کروں گا۔

مسلم شریف کی حدیث پاک ہے کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر حد جاری فرمائیے، میں نے مسلسل تین مرتبہ یہی جملہ دہرایا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف توجہ نہیں فرمائی۔ پھر نماز ادا کی گئی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص کہاں گیا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، آپ نے فرمایا تو نے کامل طریقے سے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا اب تو گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا ہے جیسا کہ تیری ماں نے تجھ کو ابھی جنا ہے۔ اب آئندہ ایسا نہ کرنا۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔

''عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَّ مَعَهٗ حِیْنَ یَذْکُرُنِیْ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَآئِهِمْ خَیْرَ مِنْهُمْ وَ اِنْ تَقَرَّبَ مِنِّیْ یَشِیْرًا اِتَّقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَ اِنْ تَقَرَّبَ اِلَیْهِ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتَا مِنْهُ بَاعًا وَ اِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هُرْوَلَةً'' (مسلم شریف، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، ج:۲،ص ۳۴۱)

ترجمہ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی بندۂ مومن مجھ کو تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جب بندہ جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوجاتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوجاتا ہوں، اور جب وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں دونوں ہاتھوں کی کشادگی کے برابر اس کے قریب ہوجاتا ہوں اور جب میری طرف بندہ چلتے ہوئے قدم اٹھاتا ہے تو میری رحمت اس کو بڑھ کر اپنے سایۂ عافیت ورحمت میں لے لیتی ہے۔یعنی میں اس کی دعاؤں کو بہت جلد قبول کر لیتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔معلوم ہوا کہ نماز نہ پڑھنے والا شخص قیامت کے دن حساب میں ناکام رہے گا۔ اس لیے ہم سب کو چاہیے کہ نماز باجماعت ادا کریں تاکہ حساب میں دشواری نہ ہو۔قیامت کے دن جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہوں گے اس وقت جنتی جہنمیوں سے کہیں گے کہ تم کو کس چیز نے جہنم میں ڈالا تو وہ کہیں گے کہ ہم نمازوں میں کوتاہی کرتے تھے اور وقت پر ادا نہیں

کرتے تھے۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔"عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِی صلی الله علیه وسلم قَالَ سَبْعَةٌ یُظَلِّهُمُ اللهُ رَجُلٌ اَللّٰهُ فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ" (بخاری شریف ،ج:۲،ص:۹۵۹)

ترجمہ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے سات لوگوں کو اپنے سایۂ رحمت میں لے گا جن میں ایک وہ بھی ہوگا جس نے خدا کو تنہائی میں یاد کیا ہوگا اور خوف خدا سے اس کی آنکھ سے آنسو نکل آیا ہوگا۔

امام غزالی علیہ الرحمۃ نے مکاشفۃ القلوب میں تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص نماز میں سستی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے پندرہ مصیبتوں میں مبتلا کرے گا پانچ دنیا میں تین موت کے وقت تین قبر میں تین قبر سے نکلتے وقت دنیا کی مصیبتیں یہ ہیں۔

(۱) اس کی عمر سے برکت چھین لی جاتی ہے (۲) اس کے پیشانی سے صالحین کی علامت مٹادی جاتی ہے (۳) اللہ تعالیٰ اس کے کسی عمل کا بدلہ نہیں دیتا (۴) اس کی کوئی دعا آسمان تک نہیں جاتی (۵) نیک دعاؤں میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

موت کے وقت پیش آنے والے مصائب یہ ہیں (۱) وہ ذلیل ہوکر مرے گا (۲) بھوکا مرے گا (۳) پیاسا مرے گا یہاں تک کہ اگر اس کو تمام سمندر پلا دیے جائیں تو بھی اس کی پیاس نہ بجھے گی۔

قبر میں پیش آنے والی مصیبتیں یہ ہیں (۱) قبر اس پر تنگ ہوجائے گی یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر ہوجائیں گی (۲) اس کی قبر پر آگ بھڑکا دی جائے گی جس پر وہ شب و روز لوٹے گا (۳) ایک اژدہا اس پر مقرر کردیا جائے گا جس کا نام شجاع یعنی گنجا ہوگا۔اس کی آنکھیں آگ کی ہوں گی، ناخن لوہے کے ہوں گے جن کی لمبائی ایک دن کے سفر کے برابر ہوگی وہ نہایت کڑک دار بجلی کی آواز میں کہے گا کہ میں گنجا اژدہا ہوں، میرے رب نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تجھ کو نمازیں ضائع کرنے کے بدلے میں صبح سے شام تک ڈستا رہوں، فجر کی نماز ترک کرنے کے عوض میں سورج نکلنے تک ظہر کی نماز چھوڑنے پر عصر تک اور عصر کی نماز ترک کرنے پر مغرب تک

اور مغرب کی نماز ترک کرنے پر عشا تک اور عشا کی نماز ترک کرنے کے عوض میں صبح تک ڈستا رہوں۔جب وہ ڈسے گا تو وہ ستر ہاتھ زمین میں دھنس جائے گا اور قیامت تک اسی طرح اس پر عذاب ہوتا رہے گا۔

قبر سے نکلتے وقت کے مصائب یہ ہیں (۱) حساب میں سختی ہوگی (۲) اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا (۳) اس کو جہنم میں داخل کردیا جائے گا۔(مکاشفۃ القلوب)

حدیث پاک میں ہے:۔

"عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ اَتٰی اَعْرَابِیُّ النَّبِی صلی الله علیه وسلم فَقَالَ دُلَّنِی عَلٰی عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُهُ الْجَنَّةَ قَالَ تَعْبُدَ اللهَ وَلاَ تُشْرِکَ بِهِ شَیْئاً وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوةَ الْمَکْتُوْبَةَ وَ تُؤَدِّیَ الزَّکٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِی بِیَدِهٖ لَا اُزِیْدُ عَلٰی هٰذَا شَیْئاً وَلاَ اَنْقَصُ مِنْهُ فَلَمَّا دَلّٰی قَالَ النَّبِیُّ صلی الله علیه وسلم مَنْ سَرَّهُ اَنْ یَّنْتَظِرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی هٰذَا مُتَّفِقٌ عَلَیْهِ" (مشکوۃ شریف ص:۱۲)

ترجمہ،حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو کوئی ایسا عمل بتادیں جس سے جنت میں داخل ہوجاؤں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میں اس میں نہ کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کچھ گھٹاؤں گا۔جب وہ واپس ہوا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس کو دیکھ لے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:۔

"عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وسلم قَالَ یَتَعَاقِبُوْنَ فِیْکُمْ مَلٰٓئِکَةٌ بِاللَّیْلِ وَ مَلآئِکَةٌ بِالنَّهَارِ وَ یَجْتَمِعُوْنَ فِی صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْاَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَ هُوَ عَلِمَ بِهِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ

تَرَکْنَاھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ وَ اَتَیْنَاھُمْ وَ ھُمْ یُصَلُّوْنَ ‘‘ (بخاری شریف ،ج: ۱ ،ص: ۷۹)

ترجمہ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں رات اور دن میں فرشتے باری باری آتے ہیں اور وہ فجر اور عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔پھر وہ فرشتے چلے جاتے ہیں تو رب تعالیٰ پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے تم نے میرے بندے کو کس حال میں چھوڑا ہے، فرشتے عرض کرتے ہیں اے بار الٰہ ہم نے ان کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ان کے پاس گئے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا سر سجدے میں ہونے کا ذکر سن کر خوش ہو جاتا ہے اور جب وہ خوش ہو جاتا ہے تو بندے کو ہر طرح کی نعمت سے مالا مال کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے تمام مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین

☆☆☆

مسلم معاشرے میں جہیز کا ناسور اور اس کا سد باب

قاضی محمد حاکم علی ایرچوی

مسلم معاشرے کے موجودہ حالات و واقعات کا جائزہ لینے کے بعد بڑے ہی قلق اور افسوس سے دوچار ہونا پڑتا ہے، روز بروز جہیز کا مطالبہ عام ہوتا جارہا ہے۔جو عورت کم جہیز لے جائے اس کو کوسنے سے لے کر ستانے، طلاق دینے، یہاں تک کہ جلانے اور مار ڈالنے تک کے واقعات سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں۔ایک پاکیزہ رشتہ جسے رب کائنات نے عظیم مقاصد کے لیے بنایا، جو عہد رسالت، عہد صحابہ اور عہد اسلاف میں بڑے پاکیزہ اور سادہ طریقہ سے عمل میں آتا رہا، آج کے بے غیرت خاندانوں اور نوجوانوں نے اسے نفع جوئی اور زر طلبی کا ایک ذریعہ سمجھ لیا ہے۔

جبری جہیز طلب کرنا:۔

جہیز کی لمبی مانگ ایک عام بات ہوگئی ہے۔لڑکے والوں کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے کہ اتنا مال، اتنا سامان، فلاں گاڑی اور فلاں فلاں چیزیں دوگے تو تمہاری لڑکی کی ہمارے لڑکے سے شادی ہوگی ورنہ نہیں۔دورِ حاضر میں جبری جہیز کا رواج ہمارے سماج میں دن بہ دن بڑھتا جارہا ہے، جس کے الم ناک نتائج سامنے آرہے ہیں، کتنے خاندان ایسے ہیں کہ جبری جہیز کی وجہ سے تباہی کے دہانے پر پہونچ گئے ہیں۔اخبارات اور رسائل میں آئے دن عورتوں کے بارے میں یہ خبریں پڑھی جاتی ہیں کہ اپنی مظلومانہ زندگی سے تنگ آکر لڑکی نے خودکشی کرلی، لاڈ و پیار کی مستحق کتنی بچیوں کو نہایت بے رحمی اور سنگ دلی کے ساتھ زندہ جلا ڈالا گیا۔کتنی لڑکیوں کو ظلم کی اس دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا، کتنے خاندانوں کے درمیان اس سے منافرت اور تفریق کی آگ بھڑک اٹھی۔

مروجہ جہیز کے نقصانات:

مروجہ جہیز کی لعنت کے خلاف کوئی ایسی تحریک نہیں اٹھی جس سے انسان کے اخلاقی احساسات کو اس طرح بیدار کیا جاسکے کہ اس رسم بد سے طبیعتوں میں خود نفرت و کراہت پیدا ہو

جائے۔ کچھ آوازیں ضرور بلند ہوتی ہیں مگر اخلاقی حس کے مردہ ہونے کی وجہ سے دب کر رہ جاتی ہیں۔ جبری جہیز کی لعنت نہ صرف یہ کہ شادی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں بلکہ اس سے جنسی بے راہ روی بھی پیدا ہو جاتی ہے، سکون قلب اور باہمی الفت ومودت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، اس سے عورت دماغی الجھن میں مبتلا ہو کر خودکشی کے جرم کی مرتکب ہو جاتی ہے۔ یہ وہ آفت ہے جسے شوہر کے خاندان والے عورت کے اوپر نازل کرتے ہیں اور وہ ان کے ظلم سے تنگ آ کر خود کو زندہ جلا ڈالتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس صورت حال کا علاج کیا ہے اور اس سلسلہ میں عوام وخواص کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ہمیں اس سلسلہ میں پہلے یہ غور کرنا ہے کہ جہیز کی کمی کی وجہ سے عورتوں کو ستانے والے نوجوانوں اور خاندانوں میں یہ حریصانہ طبیعت ، اور ظالمانہ جرأت کیسے پیدا ہوئی، اور اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں۔ جواباً مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حریصانہ طبیعت حُبِّ دنیا کی پیداوار ہے، اور ظالمانہ جرأت دین سے دوری کا نتیجہ ہے، بلکہ جارحانہ حد تک حُبِّ دنیا بھی دین سے دوری اور اس کے اصول ومقاصد سے بے تعلقی ہی کا شاخسانہ ہے۔ اس لیے کہ جو یہ جانتا ہو کہ دین اسلام اور معتدل قانون اسی کی اجازت دے سکتا ہے کہ آدمی اپنی محنت وکوشش سے جتنا چاہے مال کمائے مگر دوسرے کے مال کی طمع نہ کرے اور اسے اپنا مال بتانے کی حرص یقیناً مذموم اور گھٹیا طبیعت ہی کی پیداوار ہے، جو ایسی طبیعت سے پاک ہو وہ کبھی بھی بیوی کے مال ودولت کا حریص نہیں ہو سکتا۔

اسلامی نقطہ نظر سے تو جہیز کا سارا سامان جو بیوی شوہر کے گھر لائے تمام تر بیوی ہی کی ملک ہے۔ اس پر زکاۃ اگر فرض ہو تو اس کی ادائیگی بیوی ہی کے ذمہ ہے اور اس کا استعمال کوئی دوسرا اگر کرنا بھی چاہے تو یہ بھی بیوی کی رضامندی اور اجازت پر منحصر ہے، لیکن اس کے برخلاف جن خاندانوں اور جوانوں میں یہ عقیدہ جڑ پکڑ چکا ہو کہ دلہن کا سارا مال ہماری ملک ہے اور ہم اسے جیسے چاہیں استعمال کریں ان لوگوں کی دین اور اس کے مسائل ومقاصد سے دوری بالکل روشن وعیاں ہے۔ پھر سنت رسول اور احکام اسلام کی رو سے نکاح کے بعد مہر اور نان ونفقہ اور سکونت سارے معاملات ومصارف شوہر کے سر عائد ہوتے ہیں، بیوی کے اوپر قطعاً یہ کوئی واجب

یا فرض یا سنت نہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ مال ودولت شوہر اور اس کے خاندان والوں کے حصہ میں لائے اور وہ بھی اپنی کمائی سے نہیں، اپنے ماں باپ اور اپنے خاندان واقارب کی محنت اور پسینے کی گاڑھی کمائی سے۔ لڑکی کے والدین پر بھی صرف یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مناسب لڑکے سے اس کا عقد کریں، یہ ان کی ذمہ داری ہرگز نہیں کہ اس لڑکے کو مال ودولت سے بھی سرفراز کریں یا اپنی لڑکی کو زیادہ سے زیادہ ساز وسامان دیں، بلکہ عقدِ نکاح تو وہ عمل ہے جس کی وجہ سے لڑکی کے ذاتی مصارف کی بھی ذمہ داری شوہر کے سر منتقل ہو جاتی ہے۔

ضرورت ہے کہ نوجوان نسل کو یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ نکاح ایک پاکیزہ رشتہ ہے جو نسل انسانی کی حفاظت وبقا اور انسان کے فطری جذبات کی مناسب تحدید کے لیے وضع ہوا ہے، اس رشتہ کے بعد دو خاندانوں میں قرابت ومحبت، اتحاد ویگانگت بھی برپا ہوتی ہے اور مرد وزن دونوں پر بہت سی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں لیکن مصارف واخراجات کی ساری ذمہ داری شریعت نے مرد کے سر رکھی ہے اور عورت قطعاً اس کی پابند نہیں کہ شوہر کو اپنی یا ماں باپ کی دولت سے نفع اندوز کرے۔ دلوں میں مردانہ غیرت وحمیت پیدا کی جائے اور یہ بتایا جائے کہ مرد کی عزت اور وقار کا تقاضا یہی ہے کہ مرد خود اپنی کمائی، اپنی محنت اور اپنی دولت پر بھروسہ کرے، بیوی یا اس کے ماں باپ اور اہل خاندان کی کمائی اور دولت پر حریصانہ نظر رکھنا گھٹیا طبیعت کی غماز ہے جس سے ہر شریف اور باغیرت مرد اور خاندان کو بہت دور ہونا چاہیے۔ یہ باتیں لوگوں تک پہنچانے کے لیے پمفلٹ تقسیم کیے جائیں، جلسے منعقد کیے جائیں، مجلسوں اور عوامی مقامات میں بھی ان خیالات کو عام کیا جائے، کمیٹیوں اور انجمنوں کے ذریعہ ان احکام وافکار کو گھر گھر پہنچا دیا جائے۔ عملی طور پر شادی بیاہ کے مواقع پر خصوصاً دولت مندوں کو سمجھایا جائے کہ خدا نے آپ کو دولت دی ہے آپ اپنی بیٹی داماد کو جو چاہیں دے سکتے ہیں لیکن اس کا بھی خیال کریں کہ اس رسم جہیز کی وجہ سے غریب کی بیٹیاں بیٹھی رہ جاتی ہیں اور ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ معاشرہ میں آوارگی اور بے حیائی کی صورت میں بھی نمودار ہو سکتا ہے، آپ کو دینا ہی ہے تو بعد میں کبھی خفیہ طور پر دے لیں، لیکن خدارا اپنے جہیز اور دولت کی نمائش کر کے تنگ دست لڑکیوں کی زندگی اجیرن نہ بنائیں۔ ایسی انجمنیں بنائی جائیں جو سماج کے سربراہ اور ذی شعور، دردمند،

صاحب کردار اور مخلص افراد پر مشتمل ہوں یہ حضرات جہیز میں دیے جانے والے سامانوں کی مناسب حد بندی کریں اور سب سے پہلے خود اس پر کار بند ہوں پھر دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں۔نو جوانوں کو بہر حال یہ یقین دلایا جائے کہ دولت اللہ کا ایک عطیہ اور اس کا خاص فضل و انعام ہے جو ہر شخص کے حصہ میں آنا ضروری نہیں ہے،تم اگر اپنی محنت اور اپنے خاندان کی کمائی سے دولت کے مالک بن سکو تو یہ دولت تمہارے لیے راحت وعزت کا باعث ہو سکتی ہے،لیکن ظلم وستم کے طریقوں اور ناجائز راستوں کو اپنا کر بھیک کی طرح جہیز مانگ کر مال واسباب جمع کرنا کوئی شریفانہ طریقہ نہیں،تمہاری عظمت اور تمہارا وقار اس میں ہے کہ تم کسی دکھی اور غریب وپریشان حال کے لیے ایک باعزت زندگی کا سہارا بنو اور اسے اپنی زوجیت میں لاکر اس کا دکھ درد اور اس کا رنج والم دور کرو، نہ یہ کہ وہ خود اپنے جہیز سے تمہاری محتاجی وغربت کا علاج کرے، جہیز اگر بہت زیادہ ہو تو بھی پوری زندگی اور اس کے اخراجات وضروریات کا ساتھ نہیں دے سکتا، بہر حال ایک وقت تمہیں اپنی اور اپنی نسل کی کفالت کے لیے خود محنت کرنی ہوگی، کیوں نہ آج ہی تم سسرال کے بجائے اپنے بازو کی قوت اور اپنے مولیٰ کی عنایت پر بھروسہ کرو، قناعت ہی اصل مال داری ہے، آدمی کو جو مل جائے اور اس کی محنت سے جو برآمد ہو اگر اس پر اس نے قناعت نہ کی تو مزید پر مزید حرص ہمیشہ اسے دل کے اعتبار سے فقیر ومحتاج ہی رکھے گی۔خدا تمہیں غنائے قلب سے نوازے اور طمع دنیا سے بچائے۔

مذکورہ بالا تجاویز کا حاصل یہ ہے کہ فکر ومزاج میں تبدیلی لائی جائے، تصورات وخیالات اور معاملات وعادات کو اسلامی وایمانی رنگ میں ڈھالا جائے۔دولت مند طبقہ نادار وکمزور طبقہ کے دکھ درد اور اس کے مصائب ومشکلات کا سچے دل سے احساس کریں۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کو جہیز کی اس بری لعنت سے بچائے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین

☆☆☆

حافظ بخاری رضی اللہ عنہ
اپنی تصانیف کے آئینے میں

محمد مجاهد حسین چشتی گوپی گنجوی

آج سے تقریباً ایک سو پچاس سال قبل ایک عظیم روحانی شخصیت نے سہوان ضلع بدایوں سے ہجرت فرما کر پھپھوند شریف کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشا جسے دنیائے سنیت حافظ بخاری قبلہ عالم اور صدر مجلس علمائے اہل سنت جیسے القاب سے یاد کرتی ہے۔ آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ہم عصر، تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی کے تلمیذ ارشد اور شیخ المشائخ قدوۃ الواصلین حضرت حافظ سید اسلم خیرآبادی رضی اللہ عنہ کے دست گرفتہ اور ان کے خوان حسنات وبرکات کے خوشہ چیں تھے۔سہوان آپ کا مولد ومسکن تھا لیکن بعض نامساعد حالات کے سبب آپ نے ترکِ وطن فرمایا آپ کی ذات قدسی صفات جس دور میں آسمان علم وفضل پر بدر کامل بن کر چمکی تھی وہ نہایت پرآشوب اور پرفتن دور تھا، بہت سے گمراہ اور باطل فرقے نت نئے عقیدے گڑھ گڑھ کر بھولے بھالے سیدھے سادھے سنی مسلمانوں کے متاع دین وایمان پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔آپ نے تحریر وتقریر اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ فرق باطلہ ضالہ کے عقائد کفریہ کو طشت از بام فرما کر ان کا رد بلیغ فرمایا اور اہل سنت کو ان کے مکروفریب سے آگاہ فرمایا۔آپ نے ان کے عقائد باطلہ کی تردید میں متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔مثلاً حق الیقین فی مبحث مولد علی النبیین، افادت صمدیہ، نصر المسلمین، نصر السنین، طوارق صمدیہ و جمعہ تلبیسات، تکملہ، نمونہ وہابیہ کی کار سازیوں اور شعبدہ بازیوں کا، عین الیقین، تبعید الشیاطین اور شعلہ غضب، ارغام الشیاطین فی تردید متعۃ الشیعین وغیرہ۔

جس زمانہ میں آپ نے پھپھوند شریف میں قدم رنجہ فرمایا پھپھوند کا خطہ شیعوں کا مرکز بنا ہوا تھا، ہر چہار جانب رافضیت وشیعیت کا بول بالا تھا۔دور دور تک کوئی ایسا سنی عالم نہ تھا جس سے لوگ دینی امور میں رہنمائی حاصل کر سکتے، دینی معلومات کے لیے سنی حضرات روافض علما سے رابطہ کرتے تھے۔حضور حافظ بخاری کی تشریف آوری سے قصبہ پھپھوند کے لوگوں نے چین کی

سانس لی۔ آپ نے رافضیت وشیعیت کی تیز وتند آندھی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، ان کی تردید میں جا بجا تقریریں کیں اور ارغام الشیاطین نامی کتاب تصنیف فرما کر ایوان رفض میں زلزلہ برپا کر دیا۔ الغرض حضور حافظ بخاری کی زندگی خدمت دین متین اور فرقہ باطلہ کی رد وابطال سے عبارت ہے۔ میں نے انہیں گمراہ فرقوں کے رد میں آپ کے قلم حق رقم سے جو کتابیں معرض وجود میں آئی ہیں ان کا جائزہ پیش کر کے آپ کی شخصیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ارغام الشیاطین:

یہ آپ کی وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں آپ نے تحلیل فرج اور متعہ سے متعلق شیعی نظریات کے پرخچے اڑائے ہیں۔ تحقیق وتدقیق کے ایسے جواہر پارے بکھیرے ہیں کہ آج تک ہندستان سے لے کر عراق تک کسی شیعہ مجتہد کو اس کا جواب لکھنے کی جرأت نہ ہوسکی۔

سبب تالیف یہ ہے کہ مولوی میر یعقوب صاحب (تلمیذ حافظ بخاری) کی حرمت متعہ سے متعلق ایک تحریر کے جواب میں مولوی عمار علی بھرت پوری شیعی نے ''اثبات المتعہ'' نامی ایک رسالہ شائع کیا تھا، جس میں بالخصوص قبلہ عالم کو مخاطب کیا تھا۔ آپ نے اس کے جواب میں ارغام الشیاطین لکھ کر آگرہ سے طبع کروا دیا تھا۔ اگرچہ اس کتاب کی اصل بحث متعہ ہے تاہم ضمنی طور پر شیعوں کے اصولی مسائل کا بڑے اچھے انداز میں رد کر دیا ہے۔

''اثبات متعہ'' میر صاحب کے جواب میں تھا اس لیے آپ نے میر صاحب کے قول کو ''قال سید'' اور مولوی عمار علی کے قول کو ''قال المجتہد'' اور اپنے قول کو ''اقول'' سے بیان فرمایا ہے۔ کتاب کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔ اولا حرمت متعہ پر چار آیتیں اور تین احادیث پیش فرمائی ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ آیتوں کی تفسیر میں شیعہ مفسرین کی تفاسیر اور حدیثوں کو شیعوں کی مستند کتابوں سے پیش فرمایا ہے، جنہیں ملاحظہ کرنے کے بعد کسی رافضی کو انکار کی جرأت نہ ہوگی۔ اسی دوران شیعوں کی مستدل آیت کریمہ ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَآتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً'' کی ایسی نفیس اور دلکش تشریح فرمادی ہے جس سے مخالفین کا شیش محل چکنا چور ہوکے رہ جاتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ آیت کا ماقبل ومابعد سے رشتہ ہموار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آیت کریمہ میں ''فا'' برائے تفریع ہے جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ آیت اپنے

ماقبل پر متفرع ہے۔ اس طور سے کہ اللہ رب العزت نے اس سے پیش تر محرمات اور محللات کو بیان فرمایا ہے لیکن محللات کی حلت کو دو قیدوں سے مقید فرما دیا ہے۔ (۱) تحلیل بمعاوضہ مال ہو۔ (۲) تحلیل بطور نکاح ہو یہاں تک کہ مرد کے طلاق دیے بغیر عورت اس سے خلاص حاصل نہ کر سکے، صرف نفس پرستی اور عیاشی کے لیے نہ ہو۔ پہلی قید سے تحلیل مطلق باطل ہو جاتی ہے کہ اس میں مالک فرج کا احسان مند ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے جب کہ دوسری قید سے جواز متعہ کا موقف خیال خام ہو کر رہ جاتا ہے، کیوں کہ متعہ میں عورت مرد کے قید وبند میں ہرگز نہیں ہوتی بلکہ اس کی حالت یہ ہوتی ہے ''ہر ماہ بہ یارے وہر سال در کنارے''۔

پہلی قید ''**ان تبتغوا باموالکم**'' سے دوسری قید (**محصنین غیر مسافحین**) سے بیان فرمایا ہے پھر اسی پر آیت مذکورہ کو متفرع کیا ہے لہذا پوری آیت کا مفہوم یہ ہوا ہم تمہارے لیے (دو قیدوں کے ساتھ) عورتوں کو حلال کر چکے ہیں پس اگر تم ان سے نفع حاصل کرو تو ان کا متعہ یعنی یہ مہر ادا کرو اور نان ونفقہ کی ذمہ داری نبھاؤ۔ معلوم ہوا کہ اس آیت سے متعہ کا ثبوت تو درکنار متعہ سے اس کا دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ لہذا آیت میں قطع وبرید کر کے حلت متعہ پر دلیل پیش کرنا سخت حماقت اور عربی محاورات سے ناواقفیت ہے، اس پر مستزاد یہ کی سابق میں آیت کریمہ ''**ومن لم یستطع**'' موجود ہے جس سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آیت مذکورہ اگر جواز متعہ کی بابت ہوتی تو باندیوں سے نکاح کی تاکید ہرگز نہ فرمائی جاتی۔ کیوں کہ حرہ کے نان ونفقہ کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں قضائے حاجت کے لیے ممنوعہ کافی تھی۔ (ارغام، ص: ۶،۷، ملخصا)

آیت کی توضیح وتشریح کے ساتھ ساتھ اس سے متعلق شیعوں کی کچھ غلط فہمیوں کا بھی ازالہ فرمایا ہے جن میں سے ایک آیت کریمہ یہ ہے۔ ''فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَآتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً'' الی اجل مسمی کے اضافہ کے ساتھ دراصل یوں تھی۔ ''**فما استمتعتم به الیٰ اجل مسمی فآتوهن اجورهن فریضة**'' (ارغام، ص: ۹)

مصنف نے چار جوابات سے شیعوں کے اس مغالطہ کی پردہ دری فرمائی ہے۔ جوابات کا خلاصہ ہدیہ قارئین ہے۔

(۱) الی اجل مسمی کے بغیر نازل ہونے کے متعلق حضرت ابوجعفر کی حدیث منقول ہے۔
(۲) بالفرض اگر یہ ''الی اجل مسمی'' کی روایت ثابت ہو تو ظاہر کتاب کے خلاف ہونے کے پیش نظر منسوخ اور شاذ قرار پائے گی جیسا کے صاحب تہذیب نے ''تہذیب'' میں اور ملا فتح اللہ شیعی ''منهج الصادقين'' میں اس کا فراخ دلی کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔
(۳) اگر یہ قراءت شاذ نہ ہو تو دونوں قرائتیں باہم متعارض ہوں گی۔ لہذا ''**اذا تعارضا تساقطا**'' کے پیش نظر دونوں نا قابل استدلال ہوں گی۔ جب کہ دوسری متعدد آیتیں حرمت متعہ پر ناطق ہیں۔
(۴) اگر اس آیت کے تعارض سے بھی چشم پوشی کر لی جائے تو ''الی اجل مسمی''، ''استمتاع'' سے متعلق ہوگا جب کہ متعہ میں مدت اور مہینہ کا تعلق نفس عقد سے ہوتا ہے لہذا ''الی اجل مسمی'' کے ثابت ہونے کی صورت میں بھی اس سے متعہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (ارغام، ص: ۱۰،۹)

آیت کریمہ کی توضیح وتشریح اور مخالفین کے شبہات کا ازالہ فرمانے کے بعد فقہیات میں شیعوں کی ان ہرزہ سرائیوں کی نقاب کشائی فرمائی ہے جن کی اسلام جیسے پاکیزہ مذہب میں کیا دنیا کے دیگر مذاہب میں بھی اجازت نہیں ہوسکتی بلکہ سچ پوچھئے تو وہ انسانیت کے خلاف ہے، مثلا غلاظت سے لت پت روٹی کو دھل کر کھا لینے سے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ خنزیر کے چمڑے سے بنے ہوئے ڈول سے پانی پینا جائز ہے، پیشاب، شراب اور خون سے آلود کپڑے پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، مذی بہہ کر اگر ران تک پہنچ جائے تب بھی نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز فاسد ہوتی ہے اس پر بس نہیں بلکہ اللہ عزوجل و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی بارگاہوں میں ایسی گستاخیوں کو طشت از بام فرمایا ہے جن کو سن کر مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور پوری انسانیت حیرت وافسوس کا مجسمہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں، اللہ عزوجل کھوکھلا ہے، حضرت آدم علیہ السلام حاسد تھے۔ چاند میں جو سیاہی نظر آ رہی ہے وہی سید المرسلین ہیں، حضرت علی مچھر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ مافوق مچھر ہیں۔ حضرت عباس (معاذ اللہ) ولد الزنا تھے، حضرت ابن عباس دنیا اور آخرت سے اندھے تھے (حضرت عقیل وحضرت عباس ذلیل اور گھٹیا تھے)۔ (ارغام، ص: ۱۷، ۲۱ ملخصا)

یہ حکم ابن ہشام ''عیاش'' ابونصر ''قابوس'' استاذ کلینی ''باقر مجلس'' امام طوسی طبرسی جیسے پیشوان شیعہ کی شرافتیں ہیں جن کو حضور حافظ بخاری نے ان کی عبارت کے ساتھ اپنی کتاب ''لاجواب'' میں جمع فرما دیا ہے جنہیں سن کر مولوی عمار علی دوبارہ یہ کہنے کی جسارت نہ کر سکے کہ آداب شرفا سے یہ بعید ہے کہ کسی شریف کو ایسے الفاظ قبیحہ سے یاد کریں'' اور مزے کی بات یہ ہے کہ مذکورہ مسائل فقہیہ میں مصنف نے مولوی صاحب سے حکم شرع بھی دریافت فرمایا ہے جس کا بہتر جواب موصوف نے خاموشی کو سمجھا۔

افادات صمدیہ:

یہ کتاب مولوی امیر الحسن سہسوانی کی کتاب ''افادات ترابیہ'' کا جواب ہے جس میں موصوف کے اس گمراہ کن عقیدہ کا رد کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل چھ اشخاص چھ طبقات میں موجود ہیں یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد اور یکتائے روزگار ہے۔ عقلی، نقلی دلائل، اقوال ائمہ سے مزین ہونا اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ نے انتہائی لطیف انداز میں مولوی صاحب کے دلائل کو تار تار کر کے اپنے موقف کو روز روشن کی طرح عیاں فرما دیا ہے۔ انداز گفتگو کچھ اس طرح ہے کہ ابتدائے کتاب میں اثر ابن عباس پر کلام فرمایا ہے۔ (جس کو مد مقابل نے بطور دلیل پیش کیا تھا) اور اس کا ایک سرسری جواب دیتے ہوئے مستند حوالوں کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس حدیث کی سند اگرچہ صحیح ہے تاہم متن شاذ ہے اور اس میں کوئی مناقشہ نہیں ہے کہ سند صحیح ہے اور متن شاذ اور معلل ہے پھر چار جوابات دے کر اس کو نا قابل استدلال قرار دیا ہے۔ سردست اس میں سے ایک یہ ہے۔ یہ حدیث صحیح ہو تب بھی طائفہ وہابیہ کے لیے مفید نہیں کیوں کہ اس میں ''کاف'' برائے تشبیہ ہے۔ اور تشبیہ کے لیے صرف ایک وصف انسانیت میں شرکت کافی ہے نہ کہ تمام اوصاف میں اس کے بعد مولوی صاحب کے دوسرے دلائل کی جانب رخ فرمایا ہے اور ان کی خاصی خبر لی ہے۔ موصوف نے بزعم خویش اپنے دعویٰ پر دو عقلی اور دو نقلی دلائل پیش کیے ہیں۔ لیکن دوسری دلیل عقلی کا لب لباب وہی ہے جو پہلی کا ہے۔ اس لیے ان کی دلیلیں صرف تین رہ جاتی ہیں ہم اختصار کے پیش نظر ان میں سے صرف ایک کا خلاصہ اور اس پر حافظ بخاری کا عالمانہ تعاقب پیش کرتے ہیں۔

آں جناب نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ''وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَ مَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ''اس آیت میں ''شئی'' عام ہے،لہذا امثال رسول کے خزانہ بھی اللہ کی بارگاہ میں موجود ہوں گے۔حضور حافظ بخاری نے اس پر فرمایا: جناب والا حضور کے شئی ہونے سے آپ کا مثل موجود ہونے کا دعویٰ کرنا فریب کاری ہے،اس لیے کہ ضروری ہے کہ پہلے آپ اس مثل کا شئی ہونا ثابت کریں۔پھر تفسیر عزیزی کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی مقدورات میں سے کوئی ایسا فرد نہیں ہے جس کا دوسرا فرد اس جنس سے اللہ کے خزانے میں موجود نہ ہو۔لہذا اس سے زیادہ سے زیادہ جنسیت میں مشارکت ثابت ہوئی نہ کہ تمام صفات میں۔اس کے بعد مولوی صاحب کے کچھ ہفوات لسانیہ کی خبر لی ہے اور ان کو ان کے پیشواؤں کی تحریرات سے متصادم ثابت کرتے ہوئے اولیت میں اشتراک کا عقلی دلائل سے رد وابطال فرمایا ہے۔پھر مثال رسول پر حضرت یحیٰ منیری کے مکتوب سے استدلال کی زبردست تردید فرمائی ہے اور عارف منیری کے قول ''اگر خدا خواہد صد ہزار در یک ساعت چوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کند'' پھر اجماع سکوتی کے دعویٰ کی حقیقت بھی خود امام مذکور کے مکتوب اور دیگر روایات کی روشنی میں بے نقاب کر دی ہے۔اس طرح پوری کتاب عقلی،نقلی دلائل سے آراستہ ہے جو آپ کی علمی شخصیت کے شایانِ شان ہے۔

نصرالمسلمین:

یہ کتاب ڈپٹی نذیر احمد کے رسالہ ''امداد المسلمین'' کا رد ہے ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے رسوائے زمانہ رسالے میں محفل میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہوئے اس کو حرام اور بدعت قرار دیا اور ان علمار بانیین کو جنھوں نے محفل میلاد کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے، بدعتی اور فاسق تک کہہ ڈالا۔طرفہ تو یہ کہ محفل میلاد کے حرمت پر ایسے جزئیات سے استدلال کیا جو مختلف فیہ ہیں اور تماشہ یہ کہ اپنے باطل نظریات کی اثبات میں سے کہیں ایسے علما کا حوالہ دے ڈالا جو محفل میلاد کو جائز و مستحسن قرار دیتے ہیں۔اور کہیں ایسے لوگوں کا سہارا لیا جو گمراہ پھر مجہول اور غیر معروف ہیں اور کہیں ایسے علما کے دامن میں پناہ لینے کی کوشش کی جنھوں نے اپنی کتاب میں محفل میلاد کے سلسلہ میں مثبت یا منفی پہلو پر کوئی کلام ہی نہیں کیا۔

یہ کتاب زیادہ ضخیم نہیں ہے بلکہ ایک سو چھیالیس صفحات پر مشتمل ہے مگر اپنے مذہب کے اثبات اور حریف کے باطل موضوعات کے رد و ابطال پر ایسے جواہر پارے اور تحقیقی شبہ پارے پیش فرمائے ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔مخالفین کے نزدیک مستند علما و محدثین کے اقوال سے نہایت عمدہ انداز بیان عالمانہ طرز تخاطب،اور پر لطف تحقیق سے باطل نظریات کی قلعی کھولی ہے اور رد و ابطال کے درمیان بڑے اچھے انداز میں ڈپٹی صاحب پر طنز و تعریض بھی فرمائی ہے تاہم شائستگی اور شیریں مقالی کا دامن کہیں نہ چھوڑا۔

ڈپٹی صاحب نے چونکہ محفل میلاد کو حرام اور بدعت قرار دیا تھا اس لیے آپ نے سب سے پہلے محفل میلاد کا بدعت حسنہ ہونا اور بدعت سیئہ اور مخالف سنت نہ ہونا ثابت فرمایا ہے۔اور اسی کتاب کا حوالہ پیش کیا ہے جو فریقین کے نزدیک مستند ہے۔ساتھ ہی کچھ ایسی نظیریں پیش کر دی ہیں جو سنت سے منقول نہیں ہیں اس کے باوجود علمائے کرام نے ان کو جائز و مستحسن قرار دیا ہے جس سے محفل میلاد کا جواز واستحسان آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتا ہے۔

حق الیقین:

یہ آپ کی وہ عظیم تصنیف ہے جو اسماعیلی افکار و خیالات کے سانچے میں ڈھلے ہوئے مولوی صدیق حسن بھوپالی اور ان کے برادر خورد مولوی بشیر الدین قنوجی کی مشترکہ رسول دشمنی پر مشتمل ''مجموعہ قنوجی'' کے جواب میں معرض وجود میں آئی جس پر پوری وہابیت کو ناز تھا۔آپ نے اپنی خداداد صلاحیت اور علمی قوت و توانائی کے ذریعہ انکار میلاد رسول کے مضبوط و مستحکم دلائل کو تار عنکبوت کی طرح بکھیر دیا۔اور وہابی جماعت کے مزخرفات کی ایسی بیخ کنی فرمائی ہے جس سے ایوان وہابیت میں ایک دم سناٹا چھا گیا اور وہ مسکت ولا جواب ہو کر رہ گئے۔دونوں مصنفوں نے ''مجموعہ قنوجیہ'' کی ترتیب میں اولا ایک مقدمہ تحریر کیا ہے پھر دو فصلیں قائم کی ہیں۔مقدمہ میں دلائل سے محفل میلاد کو بدعت سیئہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا۔پہلی فصل میں حرمت میلاد سے متعلق سولہ مزخرفات ذکر کیے ہیں۔دوسری فصل میں اہل سنت کی جانب سے کیے گئے اعتراضات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔حضور قبلہ عالم نے اسی ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے گفتگو کی ہے۔

آغاز کتاب میں محفل میلاد کا حکم شرعی بیان کرتے ہوئے طائفہ اسماعیلیہ کے باطل عقائد کو طشت از بام فرمایا ہے پھر ان مولویوں کے دلائل کی جانب رخ پھیرا ہے اور ان کے اقوال کو ''قولہ'' اور اپنے قول کو ''اقول'' سے بیان کیا ہے۔

مقدمہ میں انہوں (بھوپالی) نے خاص طور سے تین باتیں ذکر کی ہیں (۱) محفل میلاد ہندوستان میں عوام وخواص کے درمیان رائج ہے۔(۲) معتمد فقہا ومحدثین میں کسی نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔(۳) بدعت حسنہ اور سئیہ کی جانب تقسیم باطل اور محفل میلاد بدعت ضالہ ہے ۔مصنف نے ان تینوں ہذیانات کا بھر پور محاسبہ فرمایا اور'' مواہب اللدنیہ'' وغیرہ کی روشنی میں حرمین شریفین اور تمام مسلمانان عرب کا میلاد منانا ثابت فرمایا پھر انتیس ایسے علماے اعلام کا حوالہ پیش فرمایا ہے جنہوں نے اپنی متداول کتابوں میں محفل میلاد کو مستحسن قرار دیا ہے ان میں شیخ محقق ''امام سخاوی ، ملا علی قاری ،جلال الدین سیوطی، ابن حجر عسقلانی اور ابن حجر مکی وغیرہ شامل ہیں۔مصنف نے بدعت کے تعلق سے قدرے تفصیلی کلام فرمایا ہے اور بھوپالی وقنوجی کی بکواس کی خاص خبر لی ہے۔ چنانچہ بدعت کی تقسیم سے قبل خود قنوجی کے اقرار سے ثابت فرما دیا کہ جو چیز اجمالا ماذونات شرعیہ میں داخل ہو اور صحابہ کرام سے مروی ہو وہ اگر چہ شارح علیہ الرحمۃ کے قول و فعل سے اپنی مخصوص ہیئت کے ساتھ منقول نہ ہو وہ حکم ضلالت میں داخل نہیں لہذا محفل میلاد جیسے مستحسنات ائمہ جو اشارہ حدیث سے ثابت ہے ہرگز بدعت ضلالہ نہیں ہے۔اس کے بعد حدیث پاک سے بدعت کی حسنہ اور سئیہ کی جانب تقسیم کو درست ثابت کرتے ہوئے محفل میلاد کو بدعت حسنہ ثابت کرنے کے لیے علماے کرام ومحققین عظام کے اقوال نقل فرمائے ساتھ ہی بدعت کی تقسیم پر مکتوب امام ربانی مجدد الف ثانی سے کیے جانے والے اعتراض کا ازالہ کر دیا۔ان ہذیانات کا رد وابطال کرنے کے بعد ان کے دلائل کا محاسبہ فرمایا ہے اور تحقیق وتنقید کا ایسا دریا بہا دیا ہے جس میں وہابیہ کے تمام ادلہ خس وخاشاک کی مانند بہہ گئے۔

طوارق صمدیہ وجمعہ تلبیسات صواعق:

حضرت علامہ فضل رسول بدایونی کی تصنیف البوارق الحمدیۃ کے جواب میں مولوی بشیر الدین قنوجی نے ''الصواعق الالہیہ'' نامی رسالہ لکھا تھا جس کے نقل میں رد و بدل، عبارت کا سیاق وسباق سے قطع وبرید، اثبات مدعیٰ کے لیے قول قوی کو چھوڑ کر ضعیف کو اختیار کرنا وغیرہ فریب کاریوں سے کام لیا تھا۔حضرت حافظ بخاری نے اس کے مقدمہ کی تلبیسات کے رد میں طوارق صمدیہ تحریر فرمایا اور ان کو پہلا کمال دوسرا کمال سے بیان کیا جب کہ اصل کتاب کے مغالطوں پر تنبیہ کے لیے جمعہ تلبیسات صواعق مرتب فرمایا اور ان مغالطوں کو پہلی تلبیس دوسری تلبیس سے آشکارا کیا ہے۔سر دست اس میں سے چند یہ ہیں۔'' آٹھواں کمال'' فوائد الفوائد کی عبارت میں لکھا'' ونزدیک فقہائے اولیاء ہم'' اور فوائد الفواد کی مکتوبہ اور مطبوعہ نسخوں میں لفظ ''فقرا'' ہے نواں کمال ص:۴۲ بہر حال ابن حزم کی چند کتابوں سے نقل کیا ہے اور سب سے پہلے ''وفیات الاعیان'' ابن خلقان کی عبارتیں نقل کیں اور اسی جگہ آخر میں ابن حزم کی برائیاں مذکور ہیں ان کو چھوڑ دیا۔پہلی تلبیس صواعق کے صفحہ ۳۵۰ پر بوارق کی عبارت نقل کی ہے اور اس میں ''است'' کی جگہ ''نیست'' کر دیا دوسری تلبیس صفحہ ۱۶۴ پر ایک عبارت نقل کی اور اس میں ''عبارت'' کی بجائے ''عیارت'' لکھ دیا۔تیسری تلبیس صفحہ نمبر ۱۷۹ پر ایک عبارت کو اس کے ما قبل سے جدا کر کے نقل کر دیا ہے۔پھر ان عبارتوں پر من مانی اعتراض کیا۔(طوارق صمدیہ،ص:۱۰،جمعۃ تلبیسات صواعق،ص:۱۷،۱۸،ملخصا)

گویا آپ نے مولوی بشیر الدین کی دسیسہ کاریوں کو واشگاف کر کے ان کی علمی لیاقت، امانت ودیانت اور صداقت کو بے نقاب کر دیا اور احقاق حق وابطال باطل کر کے قوم کو ان کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچا لیا۔اسی طرح آپ نے اپنی کتاب ''تکملہ'' میں ڈپٹی نذیر احمد کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور ان کی تردید فرمائی ہے۔

تبعید الشیاطین:

یہ کتاب بظاہر مولوی احسن نانوتوی کے رسالہ تہذیب الایمان کا رد ہے مگر حضور حافظ بخاری نے اس میں اولا ابن تیمیہ کی فکری آوارگی اور ذہنی کج روی اور فریب کاری کو طشت از بام فرمایا نیز ابن تیمیہ کے شیطانی عقائد مثلا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کا بہ نیت زیارت سفر کرنا شرک ہے،توسل بالرسول ناجائز وحرام ہے وغیرہ۔آپ نے قرآن وحدیث اور اقوالِ سلف سے یہ ثابت فرمایا کہ ابن تیمیہ کے یہ عقائد قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔پھر عقیدہ

حقہ کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔

مذکورہ صفحات میں آپ نے حضور حافظ بخاری کی کتابوں کے مختصر اقتباسات وخلاصے ملاحظہ فرمائے جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا کہ آپ نے ان گمراہ گر فرقوں کی کتابوں کی کیسی دھجیاں اڑائی ہیں کس طرح ان کا تعاقب کیا ہے ہر ہر جہت سے ان کی گرفت فرمائی ہے جو آپ کے علم وفضل اور خداداد ذہانت وصلاحیت کی واضح دلیل ہے۔ بلاشبہہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اثبات مسلک حقہ ابطال فرق ضالہ پر ایسا عبور عطا فرمایا تھا کہ جب آپ کی زبان گوہر فشاں گویا ہوتی تو بڑے بڑے سورماؤں کو لرزہ براندام کر دیتی، اور ایسا لاجواب کر دیتی گویا سانپ سونگھ گیا ہو، جب آپ کا قلم حق رقم ان کے ردوابطال میں چلتا تو ان کے ناپاک عزائم کو پامال کرتا۔ گستاخی وبے ادبی وتخریب کاری پر رکھی ہوئی بنیاد کو متزلزل کرتا ہوا چلتا تھا۔

میں نے حضرت کی کتابوں پر کچھ خامہ فرسائی کرنے کی جسارت تو ضرور کی ہے لیکن ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' میں کہاں طفل مکتب ایک ذرۂ ناچیز کہاں وہ علم وفضل کا مہر درخشاں علوم وفنون کا نیر تاباں، ان کی تصانیف پر تذکرہ کرنا گویا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے لیکن چونکہ میں بھی انہیں کی بارگاہ کا بھکاری اور ان کے خوان نعمت کا خوشہ چیں ہوں اس لیے اس امید پر کچھ کلمات سپرد قرطاس کر دیے ہیں کہ ہوسکتا ہے میری یہ کاوش ان کی نظر التفات کا ذریعہ بن جائے اور ان کے علم کے بہر ناپیدا کنار سے کچھ چھینٹے مجھ سیہ کار کو بھی نصیب ہو جائیں۔ آمین

بجاہ سید المرسلین

☆☆☆

عظمت والدین قرآن وحدیث کی روشنی میں

محمد صلاح الدین رضوی دیناج پوری

موجودہ دور میں ماں باپ کی نافرمانی اور ان کے ساتھ بدسلوکی عام ہوتی جارہی ہے، تعلیم یافتہ لوگ بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ نہیں کرتے، بلکہ کتنے ایسے بھی لوگ ہیں جنہیں ماں باپ کی نافرمانی اور حکم عدولی میں کسی گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے قربان گاہ کی طرف لے چلا تو بیٹا خوشی خوشی ساتھ ہو گیا، باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹانا چاہا، تو بیٹا بلا تامل لیٹ گیا، یہاں تک کہ باپ نے اپنے عزیز بیٹے کی گردن پر چھری بھی چلا دی، لیکن بیٹے نے اپنی زبان سے اف تک نہ کہا۔ اور آج کا حال یہ ہے کہ والدین کی اطاعت شعاری میں قربان ہو جانا تو بڑی بات ہے والدین کی نافرمانی میں جھجھک بھی محسوس نہیں کی جاتی۔ یہاں تک کہ والدین کی اطاعت کو خلافِ شان اور باعث ننگ وعار تصور کیا جاتا ہے، اور اس سے بڑھ کر ظلم یہ ہے کہ ماں باپ کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی ایک نشانی یہ بتائی تھی کہ مرد اپنی عورت کا فرماں بردار ہوگا، اور ماں باپ کا نافرمان ہوگا۔ آج وہ نشانی ظاہر ہو رہی ہے۔ حالانکہ اسلام کی تعلیمات کی رو سے اللہ ورسول کے بعد ماں باپ سب سے زیادہ اعزاز وتکریم، ادب واحترام، حسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کے حق دار ہیں۔

عظمت والدین قرآن کی روشنی میں:

قرآن حکیم نے تقریباً پندرہ مقامات پر مختلف طریقوں سے بڑے حکیمانہ انداز میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا درس دیا ہے اور اس اہتمام کے ساتھ بیشتر جگہوں پر یہ درس توحید کے ساتھ ہی آیا ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا گیا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ لاَ تَعْبُدُوْنَ إِلاَّ اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً :

(البقرہ ۸۳)

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔ (کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ میں خدا پرستی کے بعد ہی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی تعلیم دی گئی ہے اور اسی تعلیم کو سورۂ نساء میں ان الفاظ میں دہرایا گیا۔

”وَاعْبُدُوْ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً“

ترجمہ۔ اور اللہ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۳۶)

اللہ تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا ہے۔

”وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً“

ترجمہ۔ اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

اور سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کی احسان شناسی وشکر گزاری کی تاکید ان الفاظ میں فرمائی۔ ”اِنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرِ“ میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر بجالاؤ آخر میرے ہی پاس آنا ہے۔

ایک مقام پر فرمایا گیا:

”وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْناً عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصَالُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ“

ترجمہ۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے انسان کو اپنے والدین کے حق پہچاننے کی تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاتے ہوئے اور کمزوری پر کمزوری جھیل کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا، اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے کہ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجا لاؤ۔ (سورۃ اللقمان، آیت نمبر ۱۴)

قرآن مقدس کی ایک مشہور ومعروف آیت کریمہ ہے جس میں رب تعالیٰ نے دو عظیم الشان ہستیوں کا تذکرہ کیا ہے، ارشاد ہے۔ ”وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَاناً اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ

اَحَدُھُمَا اَوْ کِلٰاھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَھُمَا قَوْلاً کَرِیْماً“

ترجمہ۔ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو یہاں تک کہ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں آخر عمر کو پہونچ جائیں تو تم انہیں اف تک نہ کہو (یعنی اذیت وتکلیف نہ پہنچاؤ) اور انہیں مت جھڑکو بلکہ نرمی سے پیش آؤ اور جب تم ان سے کلام کرو تو نہایت ہی عاجزی و انکساری کے ساتھ کلام کرو۔ (پ:۱۵، سورۃ الاسرائیل، آت نمبر ۲۳)

ان آیات میں جس اہتمام کے ساتھ ادب ومحبت، خدمت واطاعت اور احسان پذیری وشکر گزاری کا اولاد کو حکم دیا گیا ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دنیا کے انسانی رشتوں میں ماں باپ کا مقام کتنا اونچا اور کس قدر بلند ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے والدین کی خوشی اور دل جوئی کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دیں، اور خدمت کے لیے کوئی کسر نہ چھوڑیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو والدین کی خدمت کا موقع دیا ہے تو آپ اسے غنیمت جانیں، جب ان سے کلام کریں تو سخت کلامی سے بچیں بلکہ ان سے محبت بھرے انداز میں ہم کلام ہوں کہ ان کی آنکھیں روشن ہوں اور وہ بے اختیار دعائیں دیں۔ حق بات تو یہ ہے کہ والدین کی دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے اس لیے یہ وقت کھونا نہیں چاہیے، اکثر لوگوں کی زندگی میں رزق کی افراط اور خوش حالی والدین ہی کی دعاؤں سے آتی ہے۔

والدین کی عظمت احادیث کی روشنی میں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا کام سب سے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہے؟ ”قال الصلوٰۃ علیٰ وقتھا“ ارشاد فرمایا نماز اس کے وقت میں ادا کرنا، پھر میں نے عرض کیا کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ”بر الوالدین“ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ میں نے دریافت کیا اس کے بعد کس عمل کو یہ فضیلت حاصل ہے؟ فرمایا: ”ثم الجھاد فی سبیل اللہ“ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اس حدیث پاک میں دین کے تین ایسے اہم ترین امور کی بجا آوری کی ترغیب دی گئی ہے، جو اپنی نوعیت کی طاعتوں کی بنیاد واساس ہیں، جو ان کا لحاظ نہ کرے گا وہ ان کے سوا دوسری طاعتوں کے لحاظ میں بدرجہ اولیٰ سستی برتے گا۔ (بخاری شریف)

،ص: ٦٧، ج: ١، باب الصلوة لوقتها)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ماں باپ کا اطاعت شعار و خدمت گزار کوئی بھی فرزند جب ان کی طرف رحمت و محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر نگاہ کے بدلے میں حج مبرور کا ثواب لکھتا ہے۔ اس حدیث پاک میں ماں باپ کو کعبہ توجہ بتایا گیا ہے جس کی زیارت حج کا اصل مقصود ہے، یہی زیارت خلوص و اطاعت کے ساتھ حج مبرور کا ہم پلہ ہو جاتی ہے، ہر ہر نگاہ کے بدلے ثوابوں کے بیش بہا خزانے سے نوازا جاتا ہے۔

حدیث پاک ہے:

''عن ابی امامة ان رجلا قال یا رسول الله ماحق الوالدین علی ولد هما قال هما جنتک و نارک''

ترجمہ۔ حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے؟ فرمایا کہ وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں، یعنی جو لوگ ان کو راضی رکھیں گے جنت پائیں گے اور جو ان کو ناراض رکھیں گے دوزخ کے مستحق ہوں گے۔ (مشکوۃ شریف، ص: ۴۱۹، باب البر و الصلة)

فرمان نبوی کا مطلب یہ ہے کہ والدین تیری جنت ہیں لہذا اس کے حصول کے لیے ان کے ساتھ جو کچھ بھی کر سکتے ہو کرو۔ تم ان کے حق میں رحم و کرم اور عجز و انکساری کے ایسے پیکر بن جاؤ کہ ان کی ہر جائز خواہش کی راہ میں بچھتے چلے جاؤ اور خبردار اپنے کردار، گفتار، حرکات و سکنات سے ان کی دل آزاری نہ کرنا ورنہ یہی ہستیاں تمہارے لیے جہنم کا بھڑکتا ہوا شعلہ اور آگ کا دہکتا ہوا انگارہ ہوں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

''عن ابن عباس قا ل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من اصبح مطیعا لله فی والدیه اصبح له بابان مفتوحان من الجنة و ان کا ن واحدا فواحدا و من اصبح عاصیا لله فی والدیه اصبح له بابان مفتوحان من النار وان کان

واحدا فواحدا قال رجل ان ظلماه قال و ان ظلماه و ان ظلماه وا ن ظلماه'' (مشکوة شریف، ص: ۴۲۱، باب البر الصلة)

ترجمہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جس نے اس حال میں صبح کی کہ ماں باپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہا تو اس کے لیے صبح کو ہی جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک ہو ایک دروازہ کھلتا ہے، اور جس نے اس حال میں صبح کی کہ والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا نافرمان بندہ رہا تو اس کے لیے صبح ہی کو جہنم کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے، ایک شخص نے کہا اگر چہ ماں باپ اس پر ظلم کریں؟ تو حضور نے فرمایا اگر چہ ظلم کریں اگر چہ ظلم کریں اگر چہ ظلم کریں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے:

''عن عبد الله بن عمر وقال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رضی الرب فی رضی الوالد و سخط الرب فی سخط الوالد'' (مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۱۹، باب البر الصلة)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے:

''عن ابی هریرة قا ل قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من زار قبر ابویه او احد هما فی کل یو م جمعة مرة غفر الله له و کتب برا''

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو ماں باپ دونوں یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر ہر جمعہ کو زیارت کے لیے حاضر ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اور وہ ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا لکھا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے:

''عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم رغم انفه رغم انفه رغم انفه قیل من یا رسول الله قال من ادرک والدیه عند الکبر

احدهما كلاهما ثم لم يد خل الجنة'' (مسلم شریف ، ج: ۲، ص: ۳۱۴۰، باب افضل صلة اصدقاء الاب ولام و نحوهما)

ترجمہ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی ناک غبار آلود ہو اس کی ناک غبار آلود ہو یعنی ذلیل ورسوا ہو، کسی نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون ہے؟ حضور نے فرمایا کہ جس نے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے کے وقت میں پایا پھر جنت میں داخل نہ ہو۔

حضرت معاویہ کی روایت ہے:

''عن معاوية بن جاهمة ان جاهمة جاء الىٰ النبى صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله اردت ان اغزو و قد جئت استشيرک فقال هل لک من ام قال نعم قال فالزمها فان الجنة عند رجلها'' (نسائی شریف، ج:۲،ص:۴۴)

ترجمہ۔حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد جاہمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے حضور سے مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں، ارشاد فرمایا کیا تیری ماں ہے؟ عرض کیا ہاں! فرمایا اس کی خدمت اپنے اوپر لازم کرلے کہ جنت ماں کے قدموں کے تلے ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت ہے:

''عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم عليكم عقوق الامهمات'' (صحيح مسلم شريف ، كتاب الاقضية ،باب التى عن كثرة المسائل من غير حاجة)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کردی ہے۔

''عن عبد الله بن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من الكبائر شتم الرجل والديه قالوا يا رسول الله و هل يشتم الرجل والديه قال نعم يسب ابا الرجل فيسب اباه و يسب امه فيسب امه'' (بخاری شریف ،ص: ۸۸۳، کتاب الادب

باب لا يسب الرجل والده)

ترجمہ۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بات کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ فرمایا ہاں یہ دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور یہ دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

یہی حال ماں کی خوشنودی اور ناراضگی کا بھی ہے بلکہ اس کی خوشی اور ناخوشی بدرجہ اولیٰ اللہ تعالیٰ کی خوشی وناخوشی کا باعث ہے کہ ماں کا حق بیٹے پر باپ سے بھی زیادہ ہے۔یہاں خاص طور پر باپ کا ہی ذکر غالباً اس لیے ہے کہ عدالت نبوی میں جو معاملہ پیش ہوا تھا اس کا تعلق براہ راست باپ اور بیٹے سے ہی تھا۔

حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے فرزند ارجمند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ عبادت و ریاضت میں بہت زیادہ منہمک رہتا ہے، مطلب یہ کہ وہ عبادت و ریاضت میں مشغول ہونے کی وجہ سے میری راحت اور میرے آرام وچین کے لیے کم ہی کوئی کام کر پاتا ہے، اس موقعہ پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کوئی ہزار عبادت کرے، ذکر الٰہی میں مشغول رہے، دل کی دنیا کو خشیت الٰہی اور خوف خداوندی سے معمور رکھے، مگر وہ جب تک اپنے ماں باپ کو ان کی خدمت کر کے راضی نہ کرے گا خدا اس سے کبھی راضی نہ ہوگا کہ خدا کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی میں ہے اور خدا کی اطاعت ماں باپ کی اطاعت میں ہے۔یہی وجہ ہے کہ معلم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ جیسے صائم النہار و عابد شب زندہ دار بزرگ کو وہ ہدایت فرمائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے عبداللہ! خدا کی خوشنودی چاہتے ہو تو اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ باپ کی خدمت ورضا جوئی بھی کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کا مطیع وفرماں بردار بنائے اوران کے حقوق ادا کرنے کی توفیق بخشے۔آمین۔

☆☆☆

شراب اسلام کی نظر میں

محمد سعید حسن جالونی

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو ایک ایسا جامع دستور عطا کیا ہے جس میں زندگی کے تمام گوشوں کے ضروری دفعات موجود ہیں۔ اسلام کے ماننے والے ان دفعات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو خوش گوار بنا سکتے ہیں۔ اسلام نے مسلمانوں کے لیے ہر میدان میں واضح احکامات دیے ہیں۔ سماجی، معاشرتی، تہذیبی اور اخلاقی سطح پر خاص طور سے تاکیدی احکام نافذ کیے ہیں۔ بندہ جب ان احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے تو پھر طرح طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سماج و معاشرہ بگڑ جاتا ہے، خاندان کا خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت ہمارے سماج و معاشرے میں بے شمار برائیاں رواج پا گئی ہیں۔ ان میں ایک اہم برائی شراب بھی ہے۔ جو بے شمار برائیوں کا محرک ہے۔ شراب ایک ایسی قبیح شئی ہے کہ جو شخص اس کا عادی ہو جاتا ہے اور جس شخص کے اندر اس کی لت پڑ جاتی ہے اسے تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

مذہب اسلام نے شراب نوشی کو حرام قرار دیا اور شراب پینے والوں کے لیے سخت وعیدیں ذکر کیں۔ شراب کے تعلق سے اسلامی احکام و نظریات کے ذکر سے قبل اس کی تعریف کی جاتی ہے۔

شراب انگور کے اس کچے شیرے کو کہتے ہیں جو سڑ کر بد بودار ہو جاتا ہے اور اس کو عربی زبان میں خمر کہتے ہیں۔ اس لیے کہ خمر کا معنی ڈھانپنا ہے اور شراب کا نشہ انسان کی عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ (تبیان القرآن؛ ج:۳،ص:۲۹۶ سورۃ:۵ زیر آیت ۱۹)

اسی حکم میں موجودہ زمانے میں پائی جانے والی شراب کی وہ تمام قسمیں داخل ہیں جن سے نشہ پیدا ہوتا ہے۔

شراب قرآن کی نظر میں:

اسلام سے قبل شراب کا عام رواج تھا، گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے

متوالے تھے۔ شراب جو بے شمار جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کی بنیاد ہے۔ اسلام کے آنے کے بعد اس پاکیزہ نظام حیات میں کیوں کر اس کی گنجائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام قرار دیا لیکن حرمت کا حکم بتدریج نازل فرمایا تاکہ لوگوں کے لیے اس پر عمل کرنا آسان ہو اور ایک بارگی حرمت کا حکم لوگوں کے لیے مشقت کا باعث نہ بنے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں شراب کی مضرتوں کی طرف اس آیت سے اشارہ فرمایا۔

”یَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا إِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ“ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۱۹)

ترجمہ۔ تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، تم فرما دو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفع بھی۔ (کنز الایمان)

اس آیت کے نازل ہونے پر بعض لطیف الطبع نے شراب کو ترک کر دیا اور بعض پیتے رہے، کیوں کہ اس آیت میں صراحتاً شراب کی ممانعت نہیں کی گئی تھی۔

ایک روز حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے گھر میں بعض صحابہ مدعو تھے، ان کے لیے شراب پیش کی گئی۔ جب وہ پی کر مست ہو گئے تو شام کی نماز کا وقت ہو گیا، انہیں میں سے ایک صحابی نے امامت فرمائی اور انہوں نے اتفاق سے سورۃ الکافرون پڑھنا شروع کر دیا اور بے ہوشی کے عالم میں ”لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ“ کی جگہ ”أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ“ پڑھ گئے۔ جس کے سبب آیت کا معنیٰ بالکل فاسد ہو گیا۔ (ضیاء القرآن، ج:۱،ص:۱۴۹)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُکَارٰی“ (القرآن ۴،۴۳)

ترجمہ۔ اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔

اس آیت میں اوقات نماز میں شراب کی ممانعت کر دی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ دن میں شراب پینے سے باز رہتے اور عشا کی نماز کے بعد ہی شراب پینا شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک محفل میں جس کا اہتمام عتبان بن مالک نے کیا تھا، جب جام شراب گردش میں تھا اور

حاضرین محفل کو شراب کا خمار چڑھنا شروع ہوا تو لوگ اپنے اپنے قبیلوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگے۔کسی صاحب نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا۔جس کی وجہ سے ایک انصاری نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی کو ان کے سر پر مار کر ان کا سر پھوڑ دیا۔(ضیاء القرآن ،ج:۱،ص:۱۴۹،زیر آیت۲/۲۱۹)

جیسا کہ مذکور ہوا کہ محفل شراب شباب پر تھی جس کی بنیاد پر یہ واقعہ رونما ہوا اور اس ناخوش گوار واقعہ کے رونما ہونے کا سبب شراب ہی بنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں اس کی قطعی حرمت کے لیے گزارش کی عرض کیا۔''**اللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا بَیَاناً شَا فِیَا** '' اے اللہ شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما ۔(ضیاء القرآن،ج:۱،ص:۱۴۹،آیت:۲/۲۱۹)

اس اثنا میں چند دوسرے ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جس سے شراب کے پینے کے مفاسد اور نقصانات کا صحابہ کرام کو شدید احساس ہونے لگا۔جب ایمان پختہ ہو گئے ،اسلامی تعلیمات قلب و روح کی گہرائیوں میں اتر گئیں،اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی عادت و فطرت بن گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

''**اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ**'' (سورۃ المائدہ،۹۰،۹۱)

ترجمہ۔اے ایمان والوں شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام ،تو تم ان سے بچتے رہنا تو تم فلاح پاؤ ،شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں برائی اور دشمنی ڈلوا دے،شراب اور جوئے میں،اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے۔(کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں شراب وغیرہ کی مضرتوں کو بیان کیا اور ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیا تا کہ اخروی فلاح کا حصول ہو،شیطان ان چیزوں کے ذریعہ لوگوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا کرتا ہے اور ذکر الٰہی سے روکتا ہے جب کہ یہ سب حرام ہیں،لہذا

شراب بھی حرام ہے،آخر میں فرمایا کہ تو کیا تم باز آنے والے ہو،لہذا شراب سے بچنا فرض اور اس میں مشغول ہونا حرام ہے۔

شراب احادیث کی نظر میں:

جس طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دینے کے لیے تدریجی احکام نازل فرمائے اور فطرت انسانی کے پیش نظر شراب کی حرمت کا حکم بتدریج نافذ فرمایا۔اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنایا اور اپنے پیارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو موقع بموقع متنبہ فرماتے رہے۔جیسا کہ مسلم شریف میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا۔

''**یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یُعَرِّضُ بِالْخَمْرِ وَ لَعَلَّ اللّٰهَ سَیُنْزِلُ فِیْهَا اَمْراً فَمَنْ کَانَ عِنْدَهُ مِنْهَا شَیْئٌ فَلْیَبِعْهُ وَ لِیَنْتَفِعْ بِهٖ**'' (صحیح مسلم،باب تحریم بیع الخمر،ج:۲،ص:۲۲)

ترجمہ۔یعنی اے لوگوں اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کر دینے کی طرف اشارہ فرما دیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ عنقریب ہی حرام قرار دے لہذا جس کے پاس شراب موجود ہو تو وہ اسے بیچ ڈالے اور اس سے نفع حاصل کر لے۔اس کے بعد ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**اِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ حَرَّمَ الْخَمْرَ فَمَنْ اَدْرَکَهُ هٰذِهِ الْاٰیَاتِ وَ عِنْدَهُ مِنْهَا شَیْئٌ فَلَا یَشْرَبُ وَلَا یَبِیْعُ**'' کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب حرام فرما دیا ہے اب جس شخص کو یہ آیت پہنچے اور اس کے پاس شراب کی کوئی مقدار موجود ہو تو وہ نہ اسے پیے اور نہ ہی اس کو بیچے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت لوگوں کے پاس شراب کی جتنی بھی مقدار موجود تھی اسے انہوں نے مدینہ کی گلیوں میں بہا دیا۔(صحیح مسلم،باب تحریم بیع الخمر،ج:۲،ص:۲۲)

احادیث میں شراب کی وعیدیں:

چونکہ مذہب اسلام کی یہ فطرت ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے تو اولاً محبت آمیز لب و لہجے میں لوگوں تک اسے پہنچاتا ہے اور جب یہ اسلوب ان کے لیے مؤثر نہیں ہوتا تو پھر دوسرا اسلوب اپناتا ہے،یعنی اخروی ہولناکیوں کو یاد دلاتا ہے تا کہ بنی نوع انسان دنیا و آخرت کی تباہی

سے بچ جائے ، یہاں ہم وہ احادیث جن میں شراب کی مذمت اور شرابی کی سزا و جزا کے متعلق گفتگو فرمائی گئی بیان کرتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں۔

”حَلَفَ رَبِّیْ عَزَّوَ جَلَّ بِعِزَّتِیْ لاَ یَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِیْدِ جُرْعَۃً مِنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَیْتُہ' مِنَ الصَّدِیْدِ مِثْلَھَا وَلاَ یَتْرُکُھَا مِنْ مَخَافَتِی اِلَّا سَقَیْتُہ' مِنْ حِیَاضِ الْقُدُسِ“ (مشکوٰۃ شریف ،باب الخمر ووعید شعار بھا ،ص:۳۱۸)

ترجمہ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قسم ہے میری عزت کی جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیے گا میں اس کو اسی کے مثل پیپ پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف سے پینا چھوڑ دے گا میں اس کو مقدس حوضوں میں سے شراب طہور پلاؤں گا ۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مکاشفۃ القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دنیا میں شراب پی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے جہنمی سانپوں کا زہر پلائے گا ،جس کے پیتے ہی اس کے چہرے کا گوشت گل کر زہر کے برتن میں گر جائے گا۔اور اس کی کھال ادھڑ جائے گی۔جس سے جہنمی اذیت پائے گا ،شراب پینے والے ،کشید کرنے والے ،نچوڑنے والے اور اٹھانے والے ،جس کے لیے شراب لائی گئی ،اس کی قیمت کھانے والے سب کے سب گناہوں میں برابر شریک ہیں ۔اللہ تعالیٰ ان کی عبادت نماز ،روزہ ،حج قبول نہیں فرماتا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرلیں ۔اگر وہ توبہ کیے بغیر مر گئے تو اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ انہیں شراب کی ہر گھونٹ کے عوض میں جہنم کی پیپ پلائے ۔یاد رکھیے ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور شراب نشہ ہے لہذا وہ بھی حرام ہے خواہ کسی بھی قسم کی ہو۔(مکاشفۃ القلوب ،باب شرابی پر عذاب)

شراب کے مضر اثرات:

شراب انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے اور انسان نشہ کی حالت میں ایسے ایسے کام انجام دیتا ہے ،جن کی وجہ سے اس کا وقار لوگوں کی نگاہوں میں مجروح ہو جاتا ہے ،شراب نوشی کی وجہ سے نیک کاموں کی قدرت زائل ہو جاتی ہے اور وہ برائیوں میں گھر جاتا ہے ۔اس کے علاوہ شراب نوشی سے صحت تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں ۔یہیں تک نہیں بلکہ

شراب کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے جس کے نتیجہ میں اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور اس میں کئی طرح کی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے ،نشہ کی حالت میں انسان اپنی بیوی کو طلاق دے ڈالتا ہے جس کی وجہ سے اس کا گھر انتشار وافتراق کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔شراب اور نشہ کے ذریعہ شیطان لوگوں کے درمیان عداوت پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے لوگ آپس میں دشمنی کر بیٹھتے ہیں اور پھر شراب اور نشہ بسا اوقات دشمنی اور خانہ جنگی کا سبب بن جایا کرتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ شراب کے پینے کی وجہ سے ملی ،معاشی اور تہذیبی وقار پر زوال آجاتا ہے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں تمام برائیوں بالخصوص شراب نوشی سے محفوظ و مامون فرمائے۔آمین

☆☆☆

حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ
شریعت و طریقت کے حسین سنگم

محمد زید رضا چشتی کھمریالکھیم پور

محبوب رب ذوالمنن سید شاہ خواجہ مصباح الحسن رضی اللہ عنہ مودودی سادات کرام کے ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔آپ نے اپنی پوری زندگی اطاعت رسول میں گزاری اور شریعت مصطفیٰ پر سختی سے عمل پیرا رہے۔آپ کی ذات علوم وفنون کی جامع تھی۔آپ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی فضائل وکمالات سے بھی مرصع تھے۔آپ زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے جس کا اعتراف آپ کے معاصرین بھی کرتے تھے۔آپ نے تقریر وتحریر، تبلیغ ومناظرہ اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ اسلام وسنیت کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اہل باطل کی تخریب کاریوں، ریشہ دوانیوں اور ان کے غیر اسلامی افکار ونظریات کی تردید وابطال کے لیے تا حیات سعی جمیل فرماتے رہے، آپ کے گونا گوں اوصاف وکمالات کے سبب آپ کا شمار وقت کے اجلہ علما میں ہوتا ہے۔آپ شریعت وطریقت کے حسین سنگم تھے۔ذیل کی سطور میں آپ کے اوصاف وکمالات کی چند جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مختصر خاندانی پس منظر:

حجاج بن یوسف کا ظلم وجبر جب حد سے تجاوز کر گیا تو عرب کے بعض قبیلے اس کے ظلم و ستم کی تاب نہ لا کر مختلف علاقوں میں ہجرت کر گئے، ان ہجرت کرنے والوں میں آپ کا خانوادہ بھی تھا جو چشت شریف افغانستان میں قیام پذیر ہوا۔آپ کے خانوادے کے کچھ لوگ مختلف علاقوں میں جا کر بس گئے، ان مہاجرین میں سے خواجہ سید محمود المعروف بھی تھے جو سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں چشت پھر دہلی سے ہجرت کر کے سہسوان تشریف لائے۔خواجہ سید محمود المعروف کی اولاد میں حضرت خواجہ مصباح الحسن کے والد گرامی حضرت خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی رضی اللہ عنہ ہیں۔حافظ بخاری خواجہ عبد الصمد چشتی مودودی کا شمار ہندوستان کے کبار علما میں ہوتا ہے۔آپ زبردست عالم، فقیہ اور مفسر ومحدث تھے، تبلیغ دین متین اور فرق باطلہ کی تردید و

ابطال آپ کا خاص مشغلہ تھا۔آپ دین متین کی خدمت کرتے ہوئے جب گونڈہ پہنچے تو وہاں آپ کے ایک عقیدت مند نے پھپھوند شریف آنے کی گزارش کی، ان دنوں پھپھوند شریف گمراہیت و بدمذہبیت کا مرکز تھا، شیعیت نے یہاں کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔لہذا آپ پھپھوند تشریف لائے اور پھپھوند شریف ہی کو اپنی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنایا، پھپھوند شریف میں آپ کی تشریف آوری سے صرف پھپھوند ہی میں نہیں بلکہ اطراف واکناف میں جو لادینیت وگمراہیت پرورش پا رہی تھی اس کا خاتمہ ہو گیا اور پھر قصبہ پھپھوند جو شیعیت کا گڑھ تھا دیکھتے ہی دیکھتے وہ اہل سنت وجماعت کے معتقدات کی تبلیغ واشاعت کا ایک عظیم مرکز بن گیا۔ان ہی دنوں ندوۃ العلما کا مسئلہ علمائے اہل سنت کے لیے سر درد بنا ہوا تھا کیوں کہ جب ندوۃ العلما کے ذمے داروں نے اپنے اصولوں کے خلاف کام کرنا شروع کیا اور مذہب وملت کا امتیاز باقی نہ رہا تو علمائے اہل سنت نے ان سے علاحدگی اختیار کی۔وہ مجلس اور تحریک جس کو علمائے اہل سنت نے تحریک ندوہ کے خلاف قائم کیا تھا جس میں غیر منقسم ہندوستان کے اکابر علما شریک تھے بالخصوص اعلی حضرت تاج الفحول علامہ عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہما بھی شریک تھے باتفاق رائے حافظ بخاری سیدنا سرکار عبد الصمد چشتی پھپھوندوی کو مجلس علمائے اہل سنت کا صدر مقرر کیا گیا۔

ولادت، تعلیم وتربیت:

خواجہ بندہ نواز رضی اللہ عنہ کی ولادت آپ کے والد گرامی حضور خواجہ عبد الصمد چشتی رضی اللہ عنہ کے پھپھوند شریف میں قیام پذیر ہونے کے گیارہ سال بعد ۱۳۰۴ھ ۷؍ جمادی الاول بروز سہ شنبہ صبح صادق کے وقت ہوئی۔آپ کا نام مصباح الحسن رکھا گیا اور تاریخی نام منظور حق قرار پایا۔جب آپ کی عمر چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو رسم بسم اللہ خوانی ہوئی۔مولانا محمد حسین اکبرآبادی سے قائدہ بغدادی کی تعلیم حاصل کی اور قرآن کریم افضل العلما سید الاتقیا علامہ مولانا اخلاق حسین خلف حضرت علامہ الشاہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی کی بارگاہ میں ختم کیا اور مولوی امیر حسن صاحب سہسوانی سے فارسی اور ہدایۃ النحو تک پڑھا اور علامہ الشاہ ابراہیم صاحب بدایونی سے کافیہ، شرح جامی، شرح وقایہ اور شرح تہذیب کی تعلیم مکمل کی اور ملا حسن، نور الانوار خود

حضور قبلہ عالم نے پڑھایا۔اس کے بعد حضور قبلہ عالم نے اپنے وصال سے چند ماہ پیش تر ۱۳۲۲ھ میں حضرت استاذ العلماء امام معقول ومنقول علامہ الشاہ ہدایۃ اللہ خاں رام پوری تلمیذ رشید حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی بارگاہ میں جون پور بھیجا۔یہاں پر آپ کے ہم درس ساتھیوں میں مصنف بہارشریعت صدرالشریعہ علامہ امجدعلی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے جوآپ کے بے تکلف اورہم خیال دوستوں میں تھے۔آپ نے یہاں پر مسلسل تین سال قیام فرمایااورفقہ،اصول فقہ،منطق اور فلسفہ میں مہارت حاصل کی۔یہاں سے فراغت کے بعد آپ شیخ المحد ثین حضرت علامہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور وہاں پر بھی تین سال قیام فرما کرعلم حدیث اورتفسیر میں کمال حاصل کیا۔اس طرح آپ نے ۱۳۲۸ھ میں ظاہری علوم و فنون سے فراغت حاصل کی۔

تبلیغ وارشاد:

محبوب رب ذوالمنن خواجہ سید شاہ مصباح الحسن رضی اللہ عنہ نے تحریروتقریر وعظ و خطابت بلکہ ہرممکن ذرائع سے دین کی تبلیغ فرمائی۔اور باطل قوموں کے اسلام مخالف پروپیگنڈوں کا دنداں شکن جواب دیا۔جب جماعت الیاسیہ جس کا بانی الیاس کاندھلوی تھا دین کی دعوت وتبلیغ کے نام پراہل سنت وجماعت کے سادہ لوح پیروکاروں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے قائم ہوئی تو اس جماعت کے خلاف علمائے اہل سنت سے استفسارات کئے گئے لیکن کہیں سے واضح جواب نہ مل سکا جس کا فائدہ الیاس کاندھولی نے اٹھایااوراپنے باطل عقائد و نظریات کی خوب تشہیر کی۔لیکن جب آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیاتو آپ نے بڑے واضح الفاظ میں تبلیغی جماعت کے عقائد ونظریات کوطشت ازبام کیااور''ناسوروہابیت'' کے نام سے ایک جامع رسالہ تحریرفرمایا۔

تصنیفی خدمات:

حضرت خواجہ سید شاہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ جہاں دیگر خوبیوں کے جامع تھے اورمختلف علوم پر دسترس رکھتے تھے وہیں پر آپ ایک کامیاب مصنف اورنکتہ رس محقق بھی تھے۔آپ کی تصنیفی صلاحیتوں کوسمجھنے کے لیے آپ کی ذیل کی تصانیف کا مطالعہ کافی ہے۔

(۱) بوراق العذاب علی اعداء الاصحاب۔

(۲)ناسوروہابیت۔

اول الذکر کتاب کی تصنیف کا پس منظریہ ہے کہ ایک معاصر عالم نے حضرت امیر معاویہ اورحضرت علی کے اختلاف پرایک کتاب تصنیف کی اورتقریظ کے لیے آپ کی بارگاہ میں بھیجی۔آپ نے بنظر غائر اس کا مطالعہ فرمایا تو اس میں صحابی رسول حضرت امیر معاویہ کی بارگاہ میں بڑی گستاخیاں دیکھیں اور بہت سے معاملات میں اہل سنت کے مسلک وموقف سے ہٹ کر مصنف نے اپنی رائے پیش کی تھی جس کا حضرت خواجہ مصباح الحسن رضی اللہ عنہ نے زبردست تعاقب فرمایااورتقریظ لکھ کر صاحب کتاب کوارسال نہیں کیا۔کچھ دنوں کے بعد مصنف صاحب کی طرف سے خط موصول ہوا جس میں جلداز جلد تقریظ تحریر کرنے کا تقاضہ کیا گیا تھا۔خط پڑھ کر آپ نے مؤلف کوایک خط ارسال کیا جس میں کتاب کی تمام غلطیوں کی نشاندہی کردی اورتصحیح سے قبل اس کتاب پرتقریظ لکھنے سے معذرت کی۔اس پر مولانا برہم ہوگئے اوراس خط کے جواب میں ایک طویل خط بھیجا تو آپ نے اس خط کے رد میں دوحصوں پر مشتمل ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائی جو مذکورہ نام سے آپ کی حیات میں شائع ہوئی۔اس کتاب میں حضرت خواجہ سید مصباح الحسن رضی اللہ عنہ نے علوم وفنون کے دریا بہائے ہیں نیز بڑے ہی عمدہ اورشیریں اسلوب میں صاحب کتاب پرتنقید کی ہے۔مضامین نہایت پرمغز اورمحققانہ ہیں اورمجموعی لحاظ سے خوارج و روافض کی تردید میں جامع کتاب ہے۔اس کتاب کی اشاعت کوایک طویل عرصہ ہوگیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی یہ کتاب بھی نئے رنگ وآہنگ کے ساتھ زیورطبع سے آراستہ ہوکرآپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔

فتویٰ نویسی:

محبوب رب ذوالمنن خواجہ بندہ نواز مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ مختلف علوم وفنون میں کامل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک ماہراورتجربہ کار مفتی بھی تھے،عرصہ دراز تک آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف کے مسند افتاپر بیٹھ کرفتاویٰ نویسی فرماتے رہے اورعوام مسلم کی اصلاح و رہنمائی کی خدمات انجام دیتے رہے۔آپ کے فتاویٰ آیات قرآنیہ،احادیث نبویہ اور فقہی

عبارتوں سے ایسے مدلل ومبرہن ہوتے کہ کسی کو اس پر چوں وچرا کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ آپ کے فتاویٰ کو مکمل طریقہ سے محفوظ نہیں رکھا جاسکا، اگر آپ کے تمام فتاویٰ جمع کر لیے جاتے تو کتب فتاویٰ میں ایک اہم کتاب کا اضافہ ہوتا، کیوں کہ آپ خانقاہ صمدیہ کے دارالافتا میں ایک زمانے تک فتاویٰ نویسی فرماتے رہے۔البتہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام کے کچھ فتاویٰ محفوظ ہو گئے جن کو دیکھ کر آپ کے علمی کمال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔آپ کے مجموعہ فتاویٰ کی ترتیب کا کام جاری ہے جو انشاءاللہ جلد ہی منظر عام پر آئے گا۔

شعر وسخن:

حضور خواجہ بندہ نواز رضی اللہ عنہ شعر وسخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔صنف نعت میں آپ طبع آزمائی فرمایا کرتے تھے، آپ کی شاعری برائے نام شاعری نہیں تھی بلکہ یہ عشق حقیقی میں پیش آنے والی کیفیات اور قلبی واردات کا ذریعہ اظہار تھا جنہیں الفاظ کا پیکر دے دیا جاتا تھا۔آپ کے اشعار جہاں آپ کے سوز دروں کی حقیقی ترجمان ہیں وہیں فنی خوبیوں سے بھی آراستہ ہیں۔ذیل میں نمونہ کے لیے آپ کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔

محمد مصطفیٰ صلی علی وہ مہر وحدت ہے
کہ جس کے پرتو رخ سے منور جملہ کثرت ہے
ہجوم عاشقاں ہے بے حجاب آج ان کی صورت ہے
بپا محشر میں محشر ہے قیامت میں قیامت ہے

فرض ہے ناصیۂ شوق پہ سجدہ تیرا
کاش مل جائے کہیں نقش کف پا تیرا
تو چھپے لاکھ مگر جذب تصور کی قسم
کھینچ لوں گا نگہ شوق میں نقشہ تیرا

رو بکوئے تو یا رسول اللہ
دل بہ سوئے تو یا رسول اللہ
جان ایماں و اصل ایمانم
سجدہ سوئے تو یا رسول اللہ
ہم چوں سلمان فارسی دارم
جستجوئے تو یا رسول اللہ

آپ کی شخصیت معاصرین کی نظر میں:

حضور خواجہ مصباح الحسن رضی اللہ عنہ ہندوستان کے قابل فخر علما میں سے تھے۔آپ کے تبحر علمی کے معترف مسلمانان اہل سنت ہی نہیں تھے بلکہ دوسرے فرقہ کے لوگ بھی آپ کے فضائل وکمالات کے قائل تھے۔معاصرین کی شہادت بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے، آپ کے معاصر علما آپ کا حد درجہ ادب واحترام کرتے تھے بلکہ بعض پیچیدہ مسائل میں آپ کی طرف رجوع بھی کرتے تھے۔اس ضمن میں حاجی منے صاحب کا واقعہ بڑااہم ہے۔حاجی منے صاحب نان پاروی جو نان پارہ کے چیئر مین بھی تھے، کسی مقدمہ میں ماخوذ تھے، ان ہی دنوں حضور محدث اعظم ہند مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے کسی مرید کے گھر تشریف لائے ہوئے تھے۔حضور محدث اعظم ہند کے کسی مرید نے حاجی منے صاحب سے کہا کہ حضرت تشریف لائے ہیں ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر دعا کی درخواست کیجئے ہوسکتا ہے کہ معاملہ کچھ آسان ہو جائے، یہ لوگ حضرت محدث اعظم ہند کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضرت کے مریدین میں سے ایک شخص نے حاجی منے صاحب کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ حضور بندہ نواز سید مصباح الحسن صاحب کے مرید ہیں اور حضور کی بارگاہ میں دعا کی درخواست کے لیے حاضر ہوئے ہیں، اس وقت حضرت محدث اعظم ہند لیٹے ہوئے تھے خواجہ مصباح الحسن رحمۃ اللہ علیہ کا نام سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا بھئی مولانا مصباح الحسن کی آپ لوگ کیا بات کرتے ہیں ہم لوگ تو عامل ہیں اور وہ ''کامل''

ہیں ۔حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا حضور عامل اور کامل میں کیا فرق ہے؟ حضور محدث اعظم نے ارشاد فرمایا کہ میں ایک واقعہ سناتا ہوں اس سے تم عامل اور کامل کے درمیان فرق اچھی طرح سمجھ لوگے۔فرمایا کہ ایک عامل صاحب نے وظیفہ کیا چلے کیے جلالی و جمالی پرہیز کیا اور چار پانچ جنوں کو قبضہ میں کرلیا۔ چنانچہ ایک دن چند لوگ ان کے پاس آئے اور عرض کیا کہ فلاں جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے جو غیر آباد ہے۔ وہاں لوگوں کا آنا جانا بھی نہیں ہے،لہذا آپ اپنے مؤکلین کے ذریعہ اس مسجد کو اٹھوا کر ہماری آبادی میں رکھوا دیجئے تاکہ ہم لوگ اس میں نماز ادا کرسکیں اور وہ مسجد ویران ہونے سے بچ جائے ۔عامل صاحب نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا پھر اپنے چار مؤکل جنوں کو بھیج دیا تاکہ مذکورہ مسجد کو اٹھا کر اس آبادی میں رکھ دیں۔جنوں کا قافلہ جس وقت اس حکم کی تعمیل کے لئے پہنچا اس وقت اس مسجد میں اللہ کا ایک مقبول بندہ جو صفت کمال سے متصف تھا آرام پذیر تھا۔اس درمیان چاروں جن مسجد کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگے، جب ذرا حرکت محسوس ہوئی تو اللہ کے اس کامل بندے کی آنکھ کھل گئی اور فرمایا کہ کون ہے جو اس طرح کی حرکت کر رہا ہے؟ حضرت کا اتنا فرمانا تھا کہ چاروں جن چاروں خانے چت ہوکر گر پڑے،جن بار بار سنبھل کر اٹھتے اور مسجد کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے کی کوشش کرتے لیکن وہ تمام تر کوششوں کے باوجود اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے ۔اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضور محدث اعظم ہند نے فرمایا دیکھو یہ ہے عامل اور کامل کے درمیان فرق۔

تصرفات روحانی:

حضور خواجہ مصباح الحسن رضی اللہ عنہ ظاہری علوم وفنون کے ساتھ ساتھ تصوف و روحانیت کے بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ متعدد موقعوں پر آپ کی ذات بابرکت سے کشف و کرامات کا ظہور ہوا جسے آپ کی بارگاہ میں رہنے والوں نے دیکھا اور محسوس کیا۔حضرت مفتی محمد انفاس الحسن صاحب قبلہ دام ظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ صمدیہ کے والد گرامی حضرت علامہ مولانا رفیق الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضور بندہ نواز رضی اللہ عنہ کی ایک کرامت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جھانسی میں حضور بندہ نواز رضی اللہ عنہ کے ایک مرید جناب عثمان صاحب تھے،غریب الحال آدمی تھے،لیکن اپنے پیرومرشد کے بے پناہ عقیدت مند تھے۔ایک دن ان کے دل میں

حضرت سے ملاقات کی خواہش پیدا ہوئی وہ جھانسی سے سائیکل کے ذریعہ پھپھوند شریف کے لیے روانہ ہوگئے ، دن بھر سائیکل چلا کر رات کے وقت پھپھوند شریف کے حدود میں داخل ہوئے۔ان دنوں سردی کا موسم تھا،حضرت عشا کی نماز سے فارغ ہوکر آستانہ کے صدر دروازہ سے متصل اپنے بیٹھکا میں تشریف فرما تھے ،رات زیادہ گزر جانے کی وجہ سے اکثر احباب جا چکے تھے اور صدر دروازہ بھی بند کیا جا چکا تھا ،جب عثمان صاحب پھپھوند شریف کے حدود میں داخل ہوئے تو حضرت نے ایک شخص کو آواز دے کر فرمایا کہ دروازہ کھول دو جھانسی سے جناب عثمان صاحب آرہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد عثمان صاحب ہانپتے اور کانپتے ہوئے آستانہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ یقیناً یہ حضور بندہ نواز رضی اللہ عنہ کی کھلی کرامت ہے۔اولیا کرام اپنے مریدین ومتوسلین پر خصوصی نظر رکھتے ہیں اور ان کے احوال سے باخبر رہتے ہیں۔ حضرت بندہ نواز رضی اللہ عنہ کے کشف و کرامات کی ایک طویل فہرست ہے جس کو سمیٹنا مشکل امر ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت کے فیوض وبرکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائے۔آمین

☆☆☆

علم دین کی فضیلت واہمیت

محمد علاء الدین رضوی گوپی گنجوی

علم دین کے ذریعہ انسان شیطان کی فریب کاریوں اور باطل عقیدوں سے اپنی حفاظت کر کے دین و دنیا کی فلاح و بہبود سے مستفیض و بہرہ مند ہوتا ہے۔ دنیاوی علوم کی عظمت واہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن وہ اہمیت اور فضیلت جو دینی علوم کو حاصل ہے، دنیاوی علوم کو نہیں ہے۔ اس لیے کہ علم دنیوی سے انسان دنیا میں تو سرخرو اور شادکام ہوسکتا ہے لیکن دینی علوم سے عدم واقفیت کے سبب بعض ایسے افعال منہیہ کا ارتکاب کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کی آخرت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ جب کہ علم دین سے مرصع شخص دنیا میں عظمت واحترام کی نگاہ سے تو دیکھا ہی جاتا ہے آخرت میں بلند مقام بھی حاصل کر لیتا ہے۔ انسان کی عظمت علم ہی میں پوشیدہ ہے۔ علم انسان کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ علم خدا کا عرفان عطا کرتا ہے اور صراط مستقیم پر گامزن کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔

ذیل کی سطور میں ہم علم دین کی فضیلت واہمیت سے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں گفتگو کریں گے۔

علم دین کی اہمیت قرآنی آیات کی روشنی میں:

قرآن عظیم میں اہل علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَفُوۡرٌ“ (پ:۲۲، سورہ فاطر، آیت نمبر ۲۸)

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں صرف وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا عزت والا ہے۔ (کنز الایمان)

اللہ تعالیٰ عالم اور جاہل کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

”قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَایَعۡلَمُوۡنَ. اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُوْلُوا الۡاَلۡبَابِ“ (پ ۲۳، سورہ زمر، آیت نمبر ۹)

ترجمہ۔ اے محبوب آپ فرما دیجیے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر

ہیں، نصیحت وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

اس آیت مقدسہ کی تفسیر میں حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

”قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ اَیۡ لَا یَسۡتَوِیَانِ الۡعَالِمُ وَ الۡجَاھِلُ“ یعنی عالم اور جاہل ہرگز ہرگز برابر نہیں ہوسکتے ان دونوں کے درمیان تباین کی نسبت ہے۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا“ (سورہ طٰہٰ پ:۱۶، آیت نمبر:۱۱۴)

ترجمہ۔ اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔ (کنز الایمان)

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے علم کی فضیلت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے، اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کے علاوہ کسی دوسری چیز کی زیادتی کے طلب کرنے کا حکم نہیں فرمایا۔ (فتح الباری، شرح بخاری، ص:۱۳۰)

اسلام نے روز اول سے ہی علم کی فضیلت واہمیت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز اس آیت کریمہ سے ہوا۔ **”اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ“** (پ:۳۰، سورۃ علق، آیت نمبر۱) ترجمہ۔ پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ (کنز الایمان)

اللہ رب العزت عالم دین کے درجات کی بلندی کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

”یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ“ (پ:۲۸، س: مجادلۃ، آیت:۱۱)

ترجمہ۔ اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔ (کنز الایمان)

ان آیات میں غور کرنے سے علم کی فضیلت واہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آیت میں فرمایا ہے: جس کو علم دیا گیا اس کو بہت بھلائی ملی۔ اور

کہیں فرمایا کہ عالم اور جاہل ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، کہیں آگاہ کیا کہ حقیقی معنوں میں اللہ سے ڈرنے والے علم والے ہی ہیں۔ اسلام کی عظیم کتاب قرآن کے نزول کی ابتدا ایسی آیت سے ہوئی ہے جو ہم کو تعلیم و تعلم کا درس دے رہی ہے۔ مذکورہ بالا آیات کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے علما، محدثین، مفسرین اور شارحین نے علم کی فضیلت و اہمیت میں بہت طویل بحثیں کی ہیں۔

علم دین کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

کثیر احادیث میں علم کی فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم''

ترجمہ۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (ابن ماجہ۔ ص:۲۰، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم)

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شارحینِ حدیث نے فرمایا کہ علم سے مراد مذہبی علم ہے، جس کا حاصل کرنا بندہ کے لیے ضروری ہے۔ جیسے خدائے تعالیٰ کو پہچاننا، اس کی وحدانیت اور اس کے رسول کی نبوت کی شناخت اور ضروری مسائل کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ جاننا۔ مسلمان کے لیے ان چیزوں کا علم فرض عین ہے، اور فتاویٰ و اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچنا فرض کفایہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ، ص:۲۳۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں علم سے مراد وہ علم ہے جو مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ مثلا جب اسلام میں داخل ہوا تو اس پر خدائے تعالیٰ کی ذات و صفات کو پہچاننا اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو جاننا واجب ہو گیا، اور ہر اس چیز کا علم ضروری ہو گیا کہ جس کے بغیر ایمان صحیح نہیں۔ جب نماز کا وقت آگیا تو اس پر نماز کے احکام کا جاننا واجب ہو گیا۔ جب ماہ رمضان آگیا تو روزے کے احکام کا سیکھنا ضروری ہو گیا اور جب مالک نصاب ہو گیا تو زکوٰۃ کے مسائل کا جاننا واجب ہو گیا، اور اگر مالک نصاب ہونے سے پہلے انتقال ہو گیا اور زکوٰۃ کے مسائل نہ سیکھا تو گناہ گار نہ ہوا، اور جب عورت سے نکاح کیا تو حیض و نفاس وغیرہ کا نیز جتنے مسائل کا میاں بیوی سے تعلق ہے مسلمان پر جاننا واجب ہو جاتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج:۱، ص:۱۶۱)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دکانداروں کو درے مار کر علم سیکھنے کے لیے بھیجتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص خرید و فروخت کے احکام نہ جانے وہ تجارت نہ کرے کہ لاعلمی میں سود کھائے گا اور اسے خبر بھی نہ ہوگی۔ اسی طرح ہر پیشہ کا ایک علم ہے یہاں تک کہ اگر حجام ہو تو اس کو یہ جاننا ضروری ہے کہ آدمی کے بدن سے کیا چیز کاٹنے کے لائق ہے اور کیا چیز کاٹنے کے لائق نہیں ہے۔

علم حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ طالب علم بن کر کسی مدرسے میں اپنا نام لکھائے اور پڑھے جیسا کہ رائج ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ علمائے اہل سنت سے ملاقات کرے شریعت کا حکم ان سے معلوم کرے یا معتبر اور مستند کتابوں کے ذریعہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی جانکاری حاصل کرے۔ (کیمیائے سعادت۔ ص:۱۲۹)

حضرت کثیر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ دمشق کی مسجد میں ایک شخص حضرت سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آیا اور عرض کیا کہ میں مدینہ منورہ سے ایک حدیث سننے کے لیے آیا ہوں حضرت ابو درداء نے دریافت کیا صرف اسی مقصد سے آئے ہو یا اور بھی کام ہے؟ اس نے کہا نہیں اور کوئی کام نہیں صرف حدیث کی جانکاری کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ حضرت ابو درداء خوش ہو کر فرمانے لگے مرحبا مبارک ہو! سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص صرف علم دین حاصل کرنے کے لیے سفر کیا کرے گا اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیا جائے گا، ایسے مسافر کے احترام و استقبال میں فرشتے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور زمین و آسمان کی ہر مخلوق دعا کرتی ہے حتیٰ کہ مچھلیاں بھی۔ (مشکوۃ شریف، کتاب العلم، ص:۳۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں کی حرص پوری نہیں ہوتی (۱) طالب علم (۲) طالب دنیا مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے پہلا شخص اللہ کی خوشنودی کے لیے علم حاصل کرتا ہوا بلند منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔ دوسرا شخص نفسانی خواہشات اور حب مال میں مبتلا ہو کر ذلت و رسوائی کے گڈھے میں گرتا چلا جاتا ہے، پہلا اعلیٰ، دوسرا ادنیٰ، پہلا شریف، دوسرا حقیر، پہلا محمود، دوسرا مبغوض۔ (مشکوۃ شریف، کتاب العلم، ص:۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا۔’’**اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلثة الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له**‘‘ (مشکوۃ شریف، کتاب العلم، ص:۳۲)

ترجمہ۔ جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کا عمل کٹ جاتا ہے مگر تین عمل کا ثواب برابر جاری رہتا ہے۔(۱) صدقہ جاریہ (۲) علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (۳) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔ صدقہ جاریہ سے مراد ہے مسجد و مدرسہ بنوانا، یا زمین یا کتاب وغیرہ وقف کرنا علم سے مراد ہے دینی کتابیں تصنیف کرنا اور اچھے شاگردوں کو چھوڑ جانا جن سے دینی فیضان جاری رہے اور باپ نے اگر اپنی اولاد کو نیک بنایا تو وہ اس کے لیے دعاے خیر کرے یا نہ کرے باپ کو بہر حال ثواب ملے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا’’**تدارس العلم ساعة من الليل خير من احيائها** ‘‘ترجمہ۔ رات میں ایک گھڑی علم کا سیکھنا پوری رات نماز نفل پڑھتے ہوئے جاگنے سے بہتر ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک گھنٹہ آپس میں علم کی تکرار کرنا، استاد سے پڑھنا، شاگرد کو پڑھانا، کتاب تصنیف کرنا یا ان کا مطالعہ کرنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج:۱، ص:۲۵۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔’’**اطلبوا العلم ولو بالصين** ‘‘(المقاصد الحسنہ، باب الھمزۃ، ص:۸۵، حدیث:۱۲۵)

ترجمہ۔ علم دین حاصل کرو اگرچہ چین میں ہو۔

اس حدیث شریف سے علم کی بے انتہا اہمیت ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ ہوائی جہاز، ریل اور موٹر نہیں تھے۔ عرب سے ملک چین پہنچنا کتنا مشکل کام تھا، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں کہ اگر چہ تم کو عرب سے ملک چین جانا پڑے لیکن علم دین ضرور حاصل کرو اس سے غفلت ہرگز نہ برتو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے۔(اول) وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے دولت دی اور وہ اس

کو راہ حق میں لٹا رہا ہو۔(دوم) وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہو اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہو اور اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہو۔ (مشکوۃ شریف، کتاب العلم، ص:۳۳)

’’**عن ابن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد**‘‘

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ (ابن ماجہ، ص:۲۰، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم)

علم دین کی معاشرے میں ضرورت:

دنیا میں اتنی زیادہ جہالت بڑھتی جارہی ہے کہ انسان چوری کر لیتا ہے مگر اس کو یہ نہیں معلوم کہ چوری کی سزا کیا ہے۔ انسان شراب پیتا اور زنا کے فعل کا مرتکب ہوجاتا ہے اور جوا وغیرہ حرام کاموں کو انجام دیتا ہے اور اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ ہم نے کوئی غلط فعل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کاموں کے خلاف کتنی سخت سزا اور وعیدیں ذکر فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے’’اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ‘‘لوگوں کو ذرہ برابر بھی اس چیز کا احساس نہیں ہوتا یہ صرف اور صرف احکام سے عدم واقفیت اور جہالت کی بنیاد پر ہے۔ اس لیے علم دین کی معاشرے میں بہت ضرورت ہے۔ کم سے کم اتنا علم دین سیکھنا ضروری ہے کہ حرام وحلال کا امتیاز کرسکے۔

کتنی شرم کی بات ہے کہ جب کسی کے والدین کا انتقال ہوجاتا ہے، نماز جنازہ کا وقت آتا ہے تو اپنے والدین کی جنازہ کی نماز میں بھی شریک نہیں ہو پاتا ہے، کیوں کہ نماز جنازہ کا طریقہ نہیں معلوم ہوتا ہے، دعائیں یاد نہیں ہوتی ہیں۔ اتنا علم نہیں کہ وہ اپنے والدین کی نماز جنازہ میں شریک ہوسکے۔ کتنے افسوس کی بات کہ اس کے والدین اپنے لڑکے کو اتنا علم نہیں سکھا پائے کہ ان کا لڑکا ان کی نماز جنازہ میں شریک ہو۔ یہ صرف اور صرف علم دین سے دور رہنے کی بنا پر ہے۔

جب میت کے ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی ہوتی ہے تو وہ اپنے والدین اور اہل وعیال اور رشتہ داروں کے ایصال ثواب کے لیے ایک پارہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ ہر مسلمان کو کم سے کم اتنی جانکاری ہونی چاہیے کہ ان تمام کاموں کو آسانی سے کر سکے اور اس میں بذات خود شامل

ہو سکے تا کہ دنیا اور آخرت میں شرم سار نہ ہونا پڑے۔

اور اکثر و بیشتر دیکھا جاتا ہے کہ مسلم معاشرے میں جہالت کی بنیاد پر کفریہ اشعار یا ایسے الفاظ بول دیے جاتے ہیں کہ جن سے کفر سرزد ہو جاتا ہے اسلام سے خارج ہونے کی بنا پر بیوی والا ہو تو اس کا نکاح باطل اور اگر کسی سے مرید ہو تو بیعت بھی باطل ہو جاتی ہے اور اس کو اس چیز کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے کہ ہم کفر میں مبتلا ہو چکے ہیں۔اسی طرح وہ اپنی زندگی گزارتا رہتا ہے اور آخر کار وہ موت کے قریب پہنچ جاتا ہے۔اور اس کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا تو وہ جہنم کا سزاوار ہوتا ہے یہ تمام قباحتیں صرف اور صرف لاعلمی اور جہالت کی بنیاد پر ہوتی ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنا مرد و عورت دونوں پر فرض ہے اور کم سے کم اتنا علم ضرور حاصل کر لینا چاہیے کہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے درمیان فرق اور عقیدے کے بارے میں صحیح و غلط کے درمیان امتیاز کر سکے اور صحیح طور سے زندگی گزار کر دنیا و آخرت میں تباہی و بربادی سے بچ سکے۔

☆☆☆

اسلام میں روزے کی اہمیت

شمس الہدیٰ پولی فتح پور

روزہ کا مقصد نفس کو خواہشات سے روکنا ہے، تا کہ اس کے اندر سعادت کو حاصل کرنے اور دائمی پاکیزہ زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔بھوک اور پیاس سے نفس کی تیزی ختم ہو جائے اور مسکینوں کی فاقہ کشی کا اندازہ ہو سکے۔خورد و نوش کی جگہیں نیک ہوں تو جسم میں شیطان کے چلنے پھرنے کی جگہیں بھی تنگ ہو جاتی ہیں۔روزہ متقیوں کا زمام، مجاہدوں کی ڈھال اور مقرب بندوں کے لیے تقرب کا اہم ذریعہ ہے۔انسانی اعمال میں یہ عمل رب العالمین کے لیے مخصوص ہے، کیونکہ روزہ دار اپنی خواہشات کو ترک کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتا، یعنی اپنی تمام محبوب چیزوں کو اللہ کی محبت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔یہ بندہ اور خدا کے بیچ ایک راز ہے۔بندے ظاہری اسباب سے آگاہ ہو سکتے ہیں لیکن اپنے محبوب کے لیے انھیں چھوڑ دینا ایک ایسا امر ہے جس سے کسی انسان کو واقفیت نہیں، اور یہی روزہ کی حقیقت ہے۔

روزے کی فرضیت قرآن کی روشنی میں:۔

ظاہری اعضا اور باطنی قوتوں کو فاسد مادوں سے محفوظ رکھنے اور بیکار مادوں کو نکالنے کے لیے روزہ ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ رب العزت روزے کی فرضیت کے باب میں بلا استثنائے مرد و زن تمام اہل ایمان سے ارشاد فرماتا ہے۔

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" (سورہ بقرہ۔آیت نمبر ۱۸۳)

ترجمہ۔مومنوں تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

اس آیت کریمہ میں دو باتیں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ کہ روزے صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی نہیں بلکہ امم سابقہ پر بھی فرض کیے گئے تھے دوسری بات یہ

کہ روزہ تقویٰ وطہارت کا ذریعہ اور اللہ کی قربت حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔روزے کی فرضیت کا حکم دوسری صدی ہجری میں تحویل قبلہ کے واقعہ کے دس روز بعد ماہ شعبان میں نازل ہوا۔آیت روزہ شعبان کے مہینے میں نازل ہوئی، جس میں رمضان المبارک کو ماہ صیام قرار دیتے ہوئے باری تعالی نے اہل ایمان سے ارشاد فرمایا۔

''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' (سورۃ البقرۃ ،آیت نمبر:۱۸۵)

ترجمہ:۔پس تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے تو وہ اس کے روزے ضرور رکھے۔

اس آیت مبارکہ میں روزہ رکھنے کا حکم ہر اس صاحب ایمان کو دیا گیا ہے جو اپنی زندگی میں اس ماہ مقدس کو پائے۔

امت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہود ونصاریٰ محرم الحرام (عاشورہ) کا روزہ اہتمام کے ساتھ رکھتے تھے۔اسی طرح ہر قمری مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے تین دن جنہیں ایام بیض سے موسوم کیا جاتا ہے، روزے پہلی امتیں بڑے اہتمام کے ساتھ رکھا کرتی تھیں۔رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کے بعد ان روزوں کی حیثیت سنت کا درجہ اختیار کر گئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشورہ اور ایام بیض کے روزے رکھنے کا معمول پوری حیات مبارکہ میں قائم رہا۔روزے کی فرضیت کا منکر کافر اور اس کا تارک گناہ گار ہے۔

آیت مبارکہ میں دوسری چیز جو بیان کی گئی ہے وہ روزے کا مقصد ہے یعنی روزہ انسان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے۔اگر انسان روزہ رکھ کر بھی تقویٰ حاصل نہیں کرتا تو پھر انسان نے روزے کے حقیقی مقصد کو نہیں پایا۔

شریعت میں روزہ نام ہے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک نیت روزہ کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے باز رہنے کا۔یہ عوام کا روزہ ہے۔خواص کا روزہ تمام منہیات سے اپنے آپ کو باز رکھنا ہے۔روزہ دار اپنے اعضا کی حفاظت کرے، نگاہیں نیچی ہوں، حرام آواز نہ سنے، گناہ کی طرف میلان قلب نہ ہو، اہل باطل کی محبت سے بچے، زبان کو لایعنی اور بیکار باتوں سے بچائے۔ہاتھ پیر کو برے کاموں اور زبان کو فحاشی سے یوں ہی تمام اعضائے بدن کو ہر غلط فعل سے محفوظ رکھے۔ایسا روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں حقیقی روزہ ہے کہ ایسا آدمی حدود اللہ کی حفاظت کرنے والا

اور صاحب یقین ہے۔

جس طرح ظاہر کا روزہ ہوتا ہے اسی طرح باطن کا بھی روزہ ہوتا ہے، باطن کا خطاب اشارہ کرتا ہے کہ مومن کے قلب وروح اور سر کا روزہ یہ ہے کہ قرب خداوندی اور حضور بارگاہ الٰہی کا مشاہدہ حاصل ہو۔قلب کا روزہ یہ ہے کہ قلب ممنوعات سے رک جائے۔اور سر کا روزہ یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے شہود سے محفوظ ہو۔جو صرف کھانے پینے کی اشیا سے رکا ہوا ہے اس کے روزے کی انتہا صرف یہ ہے کہ رات آئے گی اور وہ خوش ہوگا اور جو غیر اللہ سے رکا ہوا ہے اس کے روزے کی انتہا مشاہدہ حق ہے۔

لہذا روزے دار کو چاہیے ظاہری اور باطنی ہر طرح کا روزہ رکھے۔مثلاً زبان کا روزہ جھوٹ، غیبت اور چغلی وغیرہ سے بچنا، آنکھوں کا روزہ یہ ہے کہ بری چیزوں کے دیکھنے سے بچے۔کان کا روزہ یہ ہے کہ منہیات کے سننے سے محفوظ رہے، اسی طرح باقی اعضا کو غیر شرعی اور غلط حرکات سے بچائے۔نفس کا روزہ یہ ہے کہ وہ غلط تمنا اور حرص وہوس اور شہوات سے بچے، قلب کا روزہ یہ ہے کہ حب دنیا اور اس کے نقش ونگار میں نہ پھنسے اور سر کا روزہ یہ ہے کہ وہ غیر اللہ کے وجود کو معدوم سمجھے۔

روزے کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے:۔

''عن ابی هريرة قال قال النبی صلی الله عليه وسلم من لم يدع قول الزور والعمل به فليس الله حاجة فی ان يدع طعامه وشرابه'' (بخاری شریف ،باب من لم يدع قول الزور ،ج:۱،ص:۲۵۵)

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص روزہ میں جھوٹ بولنا اور برے کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ دنیا میں کھانا پینا چھوڑ دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا ہر نیک کام بڑھا دیا جاتا ہے، ایک نیکی ایک سے سات سو تک لکھی جاتی ہے۔اللہ

تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے مگر روزہ کی یہ صورت نہیں ہے چونکہ روزہ میرے واسطے ہے اور میں خود اس کا اجر دوں گا روزہ دار میری وجہ سے اپنی شہوات اور اپنے کھانے کو چھوڑ دیتا ہے روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خدائے تعالیٰ سے ملنے کے وقت۔ روزہ دار کے منہ کی بو خدائے تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ بہتر ہے اور روزہ ڈھال ہے تو جب تم میں سے کوئی روزہ سے ہو وہ فحش گفتگو نہ کرے اور نہ بے ہودہ باتیں بکے۔ اگر کوئی اسے گالی بکے تو کہہ لے میں روزہ سے ہوں۔ (مسلم شریف، باب فضل الصیام، ج: ۱، ص: ۳۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ صبر نصف ایمان ہے اور روزہ نصف صبر ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ انسان کا ہر عمل مظالم کے بدلہ میں ضائع ہو جاتا ہے لیکن روزہ ایسا عمل ہے کہ کسی کے بدلہ میں ضائع نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا روزہ میرے لیے ہے اور اس کے ذریعہ کوئی اپنا بدلہ نہیں چکاتا یعنی کسی ظلم کا بدلہ روزہ نہیں ہوسکتا۔ (صحیح ابن خزیمہ، بحوالہ الترغیب والترھیب، ج:۲، ص:۸۱، کتاب الصیام)

حدیث شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اس کی توضیح میں کہا گیا کہ روزہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے اس لیے متعلق فرمایا کہ روزے میں اخلاق وصمدیت موجود ہیں (شان بے نیازی پائی جاتی ہے) روزہ ایک ایسا پوشیدہ عمل ہے جس سے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی اور آگاہ نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر بعض بزرگوں نے ''السائحون'' سے جو قرآن کریم میں وارد ہوا ہے روزہ دار مراد لیا ہے کہ روزے دار اپنی بھوک اور پیاس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر و سیاحت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ''اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ'' (سورۃ الزمر، آیت نمبر۱۰)

بے شک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ انسان کے نفس میں ہزاروں بیماریاں موجود ہیں اور وہ سب شیطان کے ہاتھوں میں ہیں۔ انسان جب بھوکا ہوتا ہے اور اپنے حلق کو غذا کے اتارنے سے روک کر نفس کو ریاضت میں مشغول کرتا ہے اور وہ تمام برائیاں مردہ ہو جاتی ہیں یا بھوک آگ میں جل کر فنا ہو جاتی ہے، اس وقت شیطان اس کے سائے سے بھی گریزاں ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب پیٹ خوب بھر جاتا ہے اور انسان اپنے حلق کو لذتوں کے

حصول میں آزاد چھوڑ دیتا ہے تو بدی کے ان اجزا کو تازگی مل جاتی ہے اور شیطان اس پر قابو پالیتا ہے شکم پروری نفس کا ایسا ہنر ہے جس سے شیطان کا گزر ہوتا ہے اور بھوک ایسا ہنر ہے جس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ چنانچہ شیطان ایک خوابیدہ شخص سے بھی مات کھا جاتا ہے چہ جائے کہ وہ عبادت میں مشغول ہو۔ لیکن شکم سیر انسان سے شیطان معانقہ کرتا ہے ہر چند کی وہ عبادت میں کھڑا ہو۔

روزہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت:۔

روزہ مومن کے لیے نعمت خداوندی ہے، روزہ صرف بھوکا رہنے کے لیے نہیں فرض کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لیے اہل ایمان پر فرض کیا گیا ہے۔ روزہ تاریخ انسانی کے ہر دور میں رکھا گیا اور انبیا و مرسلین کی شریعت میں کسی نہ کسی شکل میں نافذ رہا۔ صفات بندگی کو تازگی بخشنے کے لیے روزہ تحفہ الٰہی ہے۔ روح انسانی کو بالیدگی عطا کرنے کے لیے روزہ غذائے روحانی ہے۔ روزہ مولیٰ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر روزہ دار اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت میں پہنچتا ہے۔ تو اسے خوشخبری دی جاتی ہے کہ تو نے روزہ میرے لیے رکھا ہے اب اس کی جزا میں ہی دوں گا، روزہ کی عظمت و رحمت کا یہ عالم رہا ہے کہ دور نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں روزہ کو باطل طاقتوں کے مقابل ڈھال سمجھا جاتا تھا اور تپتی ہوئی گرمی اور گرم ریگستان میں حالت کارزار میں بھی جانثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حالت روزہ میں رہتے تھے۔ جہاد بھی کرتے تھے، نماز بھی پڑھتے تھے، درآنحالیکہ روزے کی حالت میں رہتے۔

اسی لیے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر اللہ کے بندے رمضان کی فضیلت واہمیت جان لیں تو میری امت تمام سال روزہ میں رہنے کی خواہش مندرہے گی۔ (صحیح ابن خزیمہ کتاب الصیام، باب ذکر تزین الجنۃ لشھر رمضان، ج:۲، ص:۱۹۰)

روزہ انسانوں کے لیے کتنی اہمیت کا حامل ہے:

روزہ روح کی غذا اور بدن کی سلامتی ہے، ایمان کی نشانی اور اہل تقویٰ کی علامت ہے، مردہ دلوں کی زندگی ہے اور سیہ کاروں کی شفاعت کا ذریعہ ہے، روحانی بیماری کا نسخہ شفا اور جسمانی بیماریوں کا مجرب علاج ہے، معرفت حق کا خزانہ ہے، خوشنودی مولیٰ کا منبع اور روزہ باب جنت

ہے جس سے روزہ دار جنت میں داخل ہوگا۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات عالیہ میں جگہ جگہ روزہ کی عظمت وفضیلت کی وضاحت فرمائی ہے، ایک بار شعبان المعظم کے آخری دن روزہ کی عظمت وحرمت بیان فرماتے ہوئے ایک عظیم الشان خطبہ دیا جسے ہم قارئین کی نذر کرتے ہیں۔

کہ اے لوگو تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ فگن ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مبارک ماہ میں روزہ کو فرض کیا ہے، اس ماہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے تو جو شخص نیکی کے ساتھ قرب الٰہی کے طلب میں دن میں روزہ اور رات میں قیام کرے تو گویا اس نے رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ستر فرض ادا کیے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے کہ اس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے اس میں جو کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اس کی گردن آگ سے آزاد کر دی جاتی ہے اور اس کو بھی اس قدر ثواب ملتا ہے کہ اس سے روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر ایک افطار نہیں کروا سکتا آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسے بھی ثواب عطا فرماتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ، ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے کسی کا روزہ افطار کرواتا ہے، جو روزہ دار کو سیر ہو کر کھانا کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پلائے گا کہ وہ جنت میں داخل ہونے تک کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (شعب الایمان، باب فی الصیام فضائل شہر رمضان، ج:۳،ص:۳۰۵)

روزے کی اہمیت کے اسباب:۔

روزے کی اس قدر اہمیت کے درج ذیل اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ روزہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتا ہے اسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ جب کہ دوسری عبادتوں کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ ان کا حال لوگوں کو معلوم ہوسکتا ہے اس لحاظ سے روزہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ (۲) دوسرا سبب یہ ہے کہ روزے میں نفس کشی، مشقت اور جسم کو اذیت میں مبتلا ہونا پڑتا ہے اس میں بھوک، پیاس اور دیگر خواہشات نفسانی پر صبر کرنا پڑتا ہے جب کہ دوسری عبادتوں میں اس قدر مشقت اور نفس کشی نہیں ہے (۳) ایک مفسر "فانہ لی" اور "انا اجزی بہ" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ روزے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی ایک

علت یہ بھی ہے کہ ویسے تو ساری عبادات وطاعات اللہ ہی کے لیے ہوتی ہیں، لیکن روزے کے ساتھ کبھی غیر اللہ کی عبادت نہیں کی گئی۔ کیونکہ کفار ومشرکین نے کسی دور میں بھی اپنے کسی معبود کی تعظیم روزے کے ساتھ نہیں کی اگرچہ وہ نماز سجدے اور ذکر و نیاز کی بعض صورتوں کے ساتھ اپنے معبودان باطل کی تعظیم وعبادت کیا کرتے تھے۔ پس اسی وجہ سے روزہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے (۴) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ روزہ میں ریاکاری کا عمل دخل نہیں ہوتا، جب کہ دوسری ظاہری عبادات مثلاً حج، زکوٰۃ، صدقہ میں ریاکاری کا شائبہ ہوسکتا ہے (۵) روزہ کی اضافت اللہ کی طرف تشریف اور عظمت کے لیے ہے جیسا کہ بیت اللہ کی اضافت محض تعظیم وتشریف کے لیے ہے، ورنہ سارے گھر (مساجد) اللہ ہی کے ہیں (۶) روزہ دار اپنے اندر ملائکہ کی صفات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے وہ اللہ کو محبوب ہے۔

درج بالا تفصیلات سے روزے کی فضیلت و اہمیت خوب واضح ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

☆☆☆

اسلام میں عظمت انسانی کا تصور

غلام غوث دیناجپوری

انسان اللہ کی شاہ کارتخلیق ہے جس کے بارے میں خود خالق دو جہاں قرآن مجید میں ارشادفرماتا ہے۔''لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ'' ترجمہ۔بےشک ہم نے انسان کو اچھی شکل وصورت پر بنایا۔(پ:۳۰،سورۃ التین،آیت نمبر۴)

ہر مخلوق کی اپنی کوئی نہ کوئی شکل وصورت ہے مگران میں ہر اعتبار سے حسن و جمال والا اور ہر طریقہ سے عظمت وفضیلت والا انسان ہے۔اس آیت کے متعلق تفسیر قرطبی میں ابن عربی فرماتے ہیں۔

''لیس اللہ تعالیٰ خلق احسن من الانسان فان اللہ خلق حیا عالما قادرا مریدا متکلما سمیعا بصیرا مدبرا حکیما'

'ترجمہ۔اللہ تعالیٰ انسان سے زیادہ حسین وجمیل کسی کو پیدانہیں فرمایا،اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدافرمایااورایسے متعدداوصاف وکمالات کا حامل بنایا۔(تفسیر قرطبی،ص۷۷)

انسانی برابری:

اسلام ہی نے نفرت بھری دنیامیں وحدت انسانی کا صور پھونکااورتقویٰ کو بزرگی کا معیار قراردیا۔ارشادربانی ہے۔

''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ''

ترجمہ۔اے لوگوں بے شک ہم نے تمہیں ایک مرداور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں زیادہ مکرم و معظم وہ ہے جوتم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔(سورۃ الحجرات،آیت نمبر۱۳)

رسول اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پرصحابۂ کرام کے مجمع میں اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے ارشادفرمایا۔

نہ تو عربی کو عجمی پر فضیلت ہے اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سفید رنگ والے کو سیاہ فام پر ترجیح ہے نہ سیاہ فام کو سفید رنگ والے پر،مگر ہاں فضیلت صرف تقویٰ وطہارت کی وجہ سے ہے۔

خطبۂ حجۃ الوداع میں وحدت انسانی کے لیے یہ اہم منشور تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔''**الناس کلھم بنو آدم و آدم خلق من تراب** '' ترجمہ۔تمام لوگ آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔(سنن ابوداؤد،باب تفخر بالاحساب)

فتح مکہ کے موقع پر ظالم کفار قریش کے حق میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بھی اسلام میں انسانی حریت پر روشنی ڈالتا ہے جب آپ نے اپنے جانی دشمنوں سے فرمایا''**اذھبوا فانتم الطلقاء**'' ترجمہ۔جاؤتم سب آزادہو۔

اسلام ہی نے غلامی کو دنیا سے ختم کرنے کی عملی اوردوررس تدبیروں کو نافذ کیا یہاں تک کہ غلاموں نے آقاؤں جیسا عروج وکمال حاصل کرلیا اورغلام وآقا ایک صف میں آگئے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

وصال سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جلیل القدرصحابۂ کرام کا ایک لشکر ایک غلام زادہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی سربراہی میں روانہ فرمایا جس کو روانہ کرتے ہوئے حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ کے گھوڑے کی رکاب سے لگ کر پیدل چلتے رہے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ادباً سواری سے اترنے لگے تو انہیں قسم دے کراترنے سے بازرکھا۔

عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حضرت امام زہری خلیفہ کے پاس پہنچے تو اس نے امام زہری سے مکہ مکرمہ اوریمن،مصر،شام،جزیرہ بصرہ،کوفہ کے سرداران کے نام دریافت کیے تو امام زہری نے خلیفہ کو آٹھ مقامات کے آٹھ سرداروں کے نام گنوائے جن میں حضرت ابراہیم نخعی سردار کے علاوہ سب کے سب پہلے غلام تھے،اسلامی قانون کی برکتوں نے آزادی دے کران سب کو علم وفضل سے نوازا اورمسلمانوں کا سردار بنادیا،عبدالملک بن مروان جیسے عصبیت رکھنے والے خلیفہ کو کہنا پڑا کہ واللہ غلاموں کو بڑے بڑے لوگوں پر سردار ہونا ہی چاہیے۔یہاں تک کہ برسرممبران کے نام کے خطبے پڑھے جائیں،اورعرب ان کے نیچے بیٹھے ہوں۔

حوائج زندگی اور تکریم انسانیت:

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی تمام نعمتیں انسان ہی کے لیے پیدا فرمائیں اور ان سب نعمتوں کو استعمال کرنا ہر انسان کا حق ہے۔ ہوا، پانی، غذا، لباس اور تمام ضروریات حیات کی طرح انسانی عقل نے جو ایجادات وانکشافات رب کائنات کی توفیق سے کی ہیں۔ وہ سب بھی خدا ہی کی نعمتیں ہیں اور ان کا مستحق ہر انسان ہے، ان ایجادات واکتشافات کو امن عالم اور انسانی اخلاق اقدار کی تشکیل وتعمیر پر خرچ کرنا خدمت انسانیت ہے، دنیا کی تمام چیزوں سے یکساں طور پر سب کو فائدہ اٹھانے کا پورا حق حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے ''**وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِيْنَ** '' ترجمہ۔ اور ہم نے زمین میں تمہارے لیے معیشت کے سامان بنا رکھے ہیں جنہیں تم رزق نہیں دے سکتے۔ (سورۃ الحجر آیت نمبر ۲۰)

سورہ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے۔

''**هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعاً**''

ترجمہ۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے وہ سب کچھ بنایا جو زمین میں ہے۔ (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۹)

سورہ ہود میں ہے۔

''**وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا**''

ترجمہ۔ زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ (سورۃ الھود، آیت نمبر ۶)

رزاق حقیقی تو ہر ذی روح کی روزی کا انتظام فرماتا ہے اب کسی سرکش انسان کو اپنے ذلیل مقاصد کے لیے نسلوں، قوموں اور ملکوں کو معاشی بحران میں نہیں دھکیلنا چاہیے۔ خدائے کریم تو اولاد کی روزی کے بارے میں ماں باپ کو بے فکر کر رہا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ ''**وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ خَشْيَةِ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ** '' ترجمہ۔ افلاس وتنگی کی وجہ سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو ہم ہی تمہیں اور انہیں رزق دیتے ہیں۔ (سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۵۱)

حقیقتاً رزق دینے والا خدائے تعالیٰ ہے اور اس نے مؤمن وکافر کو معیشت کی مساوات

عطا فرمائی ہے۔ اب کسی انسانی طاقت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس میں دخل اندازی کرے یہ وہ اصول حیات ہیں جو اسلام نے دنیا کو اقوام متحدہ کے وجود میں آنے سے چودہ سو سال پیشتر عطا فرمائے۔

انسان قابل احترام ہے:

انسانیت کے ناطے ہر آدمی کا ایک دوسرے پر کچھ حق ہے اور ہر آدمی ایک دوسرے کے لیے قابل احترام اور لائق عزت ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے۔ ''**الخلق كلهم عيال الله فاحبهم الیٰ الله انفعهم لعياله** '' ترجمہ۔ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال اور تمام مخلوق میں خدا کا سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے کنبے کو زیادہ نفع پہنچائے۔ (طبرانی)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث میں ہے۔ ''**الناس كلهم عيال** '' ترجمہ۔ سارے لوگ ایک کنبہ ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب العتق، ص:۱۶)

اسی لیے اسلام نے یہ قوانین نافذ فرمائے۔

(۱) بلاوجہ کسی انسان کو تکلیف نہ دی جائے گی اور کسی کے جان ومال کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ (۲) کسی شرعی جواز کے بغیر کسی سے سخت کلامی ترش زبانی نہیں کی جائے گی نہ کسی کو ذلیل وخوار کیا جائے گا۔ (۳) ہر انسان کی مصیبت وپریشانی، بیماری، بھوک، پیاس یا آفت ناگہانی میں مدد کی جائے گی۔ (۴) شرعی سزاؤں یا جنگوں کے جواز کے علاوہ کسی حال میں کسی کو کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔

انسانوں سے رحمت وشفقت کا برتاؤ کرنے کی تعلیم اسلام کس قدر تاکید کے ساتھ دیتا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ''**الراحمون يرحمهم الله ارحمو امن فی الارض يرحمكم من فی السماء** '' ترجمہ۔ رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے تم لوگ زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

عظمت انسانی کے ظہور کا ایک اور ذریعہ:

انسانی شرافت وبزرگی کو اس طرح بھی ظاہر کیا گیا کہ اس کے اولین تخلیق کا تفصیلی ذکر

فرمایا گیا چنانچہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ قرآن مجید میں اور دیگر آسمانی کتب میں موجود ہے اور پھر بنی آدم کی پیدائش کے طریقہ کو مفصل طور پر قرآن مجید ذکر فرماتا ہے کہ ایک ناقدر قطرۂ آب سے مختلف مراحل طے کر کے انسانی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اور اس میں رب کائنات پھر اپنی جانب سے روح پھونکتا ہے روح جو امر الٰہی ہے جب بدن انسانی میں پھونکی گئی تو اس کی عزت افزائی اس طور پر کی کہ خالق بے نیاز نے اس روح کی نسبت اضافت تشریفی کے طور پر اپنی جانب فرمایا ہے۔ ''الَّذِیْ أَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوحِهِ '' (سورۃ السجدہ، آیت نمبر :۷، ۸، ۹،)

ترجمہ۔ (اللہ) وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور تخلیق انسانی کی ابتدا مٹی کے گارے سے فرمائی پھر اس کی نسل رکھی یہ ایک بے قدر پانی کے خلاسے پھر اس کی (قدوقامت) درست فرمائی اور روح پھونک دی اس میں اپنی روح۔

اس سے قبل سورۃ الحجر میں تخلیق ابوالبشر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں اپنی خاص روح پھونک کر فرشتوں کو سجدہ کا حکم فرمایا۔'' فَإِذَا سَوَّیْتُهُ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوحِیْ فَقَعُوْا لَهُ سٰجِدِیْنَ '' (سورۃ الحجر، آیت نمبر:۲۹) ترجمہ۔ تو جب میں اسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف سے خاص معزز روح پھونک دوں تو اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا۔

ان تمام تفصیلات سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ اسلام تکریم انسانیت کا قائل ہے۔ انسان بحیثیت انسان صاحب عظمت اور قابل احترام ہے۔ انسانی عظمتوں ہی کے پیش نظر بلاوجہ انسانوں کے قتلِ عام اور خون خرابے کو ممنوع قرار دے کر انسانیت کی حفاظت کی گئی۔ اسلام نے مذہب سے قطعِ نظر انسانیت کے احترام کا درس دیا، ہاں انسان کی انسانیت اسی وقت تکمیل کو پہنچتی ہے جب وہ اپنے معبود کا شکر گزار ہو جائے۔

☆☆☆

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ
حیات اور کارنامے

محمد خورشید عالم باندوی

تاریخ اسلام میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ،آپ عہد بنوامیہ کے ان خلفاء میں سے ہیں جنھوں نے خلافت کو ملوکیت و آمریت سے آزاد کرا کے منہاج نبوت پر قائم کیا اور جمہوریت کے اصول پر عمل درآمد کر کے حکومت کے مختلف شعبوں میں پیدا ہو چکی بدعنوانیوں کا خاتمہ فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنی پوری زندگی احیاے دین کی جدو جہد میں گزاری، آپ کے تجدیدی کارناموں کی وجہ سے آپ کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم اختصار کے ساتھ آپ کی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اموی حکومت کے آٹھویں خلیفہ تھے، خلیفہ سلیمان نے آپ کے عدل وانصاف، سخاوت وفیاضی، دینداری اور وفا شعاری کو دیکھ کر اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ آپ نے اپنی خلافت کو خلفاے راشدین اور صحابہ کے نقش قدم پر جاری رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ علما نے آپ کی خلافت کو خلافت راشدہ میں شمار کیا ہے۔

ولادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۶۱ ھ یا ۶۳ ھ میں مقام حلوان میں ہوئی، آپ کے والد محترم عبدالعزیز اس وقت مصر کے گورنر تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ ام عاصم بنت عاصم تھیں جو کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں، تاریخ ترمذی میں ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میری نسل میں ایک ایسا حاکم پیدا ہوگا، جو کہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ آپ کا فرمان سچ ثابت ہوا اور واقعی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے روے زمین کو عدل وانصاف سے معمور کر دیا، اور آپ کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ (تاریخ الخلفاء۔ص:۱۸۳)

تعلیم وتربیت:

آپ کی تعلیم وتربیت مشہور محدث حضرت صالح بن کیسان کی نگرانی میں ہوئی، جنہوں نے آپ کی عمدہ تعلیم وتربیت فرمائی۔ایک مرتبہ آپ نے نماز میں تاخیر کردی۔حضرت صالح بن کیسان نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے جواب دیا کہ کنگھی کرنے میں تاخیر ہوگئی۔حضرت صالح بن کیسان نے فرمایا کہ ''بالوں کے سنوارنے کو نماز پر مقدم کرتے ہو'' چنانچہ آپ کے والد ماجد عبد العزیز کو خط لکھ کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔انہوں نے وہاں سے ایک آدمی کو روانہ کیا، جس نے آکر آپ کے سر کے بال مونڈے پھر حضرت صالح بن کیسان نے آپ سے گفتگو کی۔(سیرت خلفاء راشدین،ص:۱۱۶)

آپ حافظ قرآن تھے۔آپ نے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن جعفر، یوسف بن عبداللہ بن سلام اور بہت سے صحابہ کرام وتابعین عظام سے حدیث روایت کی۔لیکن اس فن میں زیادہ تر عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے استفادہ مدینہ منورہ آکر کیا۔(تاریخ الخلفاء،ص:۱۸۳)

آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، عربی ادب اور شعر وشاعری میں وہ کمال حاصل کیا، کہ آپ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں کوئی آپ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔

منصب گورنری پر تقرری:

تحصیل علم کے بعد آپ اپنے والد کے پاس مصر آگئے جہاں آپ کے والد گورنر تھے جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہوگیا تو آپ کے چچا خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان نے آپ کو اپنے پاس دمشق بلالیا، اور آپ کا عقد اپنی بیٹی سے کرادیا۔(تاریخ الخلفاء،ص:۱۸۳)

عبدالملک کے بعد جب ولید خلیفہ ہوا تو آپ کو مدینہ کا گورنر مقرر کرنا چاہا، آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط پر گورنری قبول کرتا ہوں کہ مجھ کو پہلے کے گورنروں کی طرح ظلم واستبداد پر مجبور نہ کیا جائے، ولید نے اس شرط کو منظور کرلیا۔مدینہ پہنچ کر آپ نے سب سے پہلے علما واکابر کو جمع کیا اور ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگوں کو میری ریاست میں کہیں بھی کسی پر بھی ظلم وزیادتی نظر آجائے تو خدا کی قسم اس کی خبر ضرور کریں۔(ابن سعد،ج:۵،ص:۲۴۵)

آپ کی گورنری کی ابتداء ۸۶ھ میں ہوئی۔آپ نے اپنے دور میں بہت سے عظیم کارنامے انجام دیے، مسجد نبوی کی جدید تعمیر وتوسیع کروائی، اور اس میں فوارے لگوائے۔مدینہ

کے اطراف واکناف میں کنویں کھدوائے۔جب تک آپ مدینہ کے گورنر رہے کسی شخص نے آپ سے عدل وانصاف، خیر خواہی اور دیانت داری کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا، چنانچہ ۹۳ھ میں آپ کو اس عہدے سے معزول کردیا گیا۔(سیرت خلفائے راشدین،ص:۱۱۷)

دور خلافت اور کارنامے:

۹۹ھ میں جب خلیفہ سلیمان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو اس نے مشہور تابعی حضرت رجاء بن حیوۃ کے مشورے پر آپ کو اپنا جانشین مقرر کردیا، سلیمان کی وفات کے بعد وصیت نامہ جب منصۂ شہود پر آیا اور آپ کا نام بطور ولی عہد نکلا تو آپ بالکل حیران رہ گئے اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔(تاریخ الخلفاء،ص:۱۸۴)

مگر اس وقت خلیفہ سلیمان دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اس لیے آپ نے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا ''اے لوگو! میری خواہش اور تمہارے استصواب کے بغیر مجھے خلیفہ بنایا گیا ہے، میں تمہیں اپنی بیعت سے خود ہی آزاد کرتا ہوں تم جسے چاہو اپنا خلیفہ مقرر کرلو'' یہ سن کر مجمع سے بالاتفاق آواز آئی ''یا امیر المومنین! '' آپ ہمارے خلیفہ ہیں'' آپ نے ارشاد فرمایا صرف اس وقت تک جب تک میں اطاعت الٰہی کی حد سے باہر قدم نہ رکھوں۔(سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی،ص:۱۰۸)

خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی آپ کی زندگی میں یکا یک انقلاب آگیا۔وہ عمر جو کہ اس سے پہلے سب سے بڑھ کر خوش لباس معطر اور جاہ وحشم والے تھے اب ان کی دنیا بدل چکی تھی۔سلیمان کی تجہیز وتکفین کے بعد گھر جانے کے لیے شاہی سواری پیش کی گئی تو واپس کردیا اور فرمایا کہ میرے لیے میرا خچر کافی ہے۔

کارنامے:

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب مسند خلافت پر بیٹھے تو آپ نے اموی حکومت جو کہ آزاد اور دنیاوی حکومت تھی، جس میں ظالم حکومتوں کی تمام برائیاں در آئی تھیں۔عدل وانصاف کا خاتمہ ہو چکا تھا، جمہوریت کی آواز دب گئی تھی، برے اعمال وافعال پر کوئی مواخذہ نہ تھا۔اور بے شمار برائیاں حکومت میں موجود تھیں۔آپ نے بڑی جدو جہد کر کے اس خلافت کو خلافت راشدہ میں

تبدیل کر دیا اور شریعت اسلامیہ کی خوب اشاعت کی، برائیوں اور بدعتوں کو ختم کرتے ہوئے اسلامی قانون کے نفاذ میں لگ گئے اور لوگوں کے درمیان دیانتداری اور وفا شعاری قائم کی، آپ نے اپنے دور خلافت میں بے شمار اہم کارنامے انجام دیے۔ جس میں سے چند ذکر کیے جاتے ہیں۔

غصب شدہ مال وجائداد کی واپسی:

اموی حکومت کے دور حکومت میں غصب شدہ مال کی واپسی آسان نہ تھی۔ خود شاہی خاندان کے اعزا واقربا نے رعایا کی جاگیر کو اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس برائی کو ختم کیا اور اس نیک کام کا آغاز سب سے پہلے اپنے آپ سے کیا، بایں طور کہ جو آپ کی بہت بڑی موروثی جاگیر تھی اسے واپس کر دیا۔ بعض خیر خواہوں نے کہا کہ اگر آپ ساری جاگیر واپس کر دیں گے تو اولاد کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا، اللہ ان کا انتظام فرمائے گا۔ (سیرت عبدالعزیز ابن جوزی، ص:۱۱۵)

اس کے بعد آپ نے اموی خاندان کے اعزا کو مخاطب کر کے کہا تم لوگ بھی غصب شدہ مال ان کے مستحقین کو لوٹا دو۔ تو ان لوگوں نے جواب دیا ''خدا کی قسم جب تک ہمارا سر تن سے جدا نہ ہو جائے گا ہم مال کو واپس نہیں کریں گے''۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا واللہ! اگر تم لوگوں کے حق کو واپس نہیں کرو گے تو میں تمہیں ذلیل ورسوا کر کے چھوڑوں گا۔ (سیرت عبدالعزیز ابن جوزی، ص:۲۰۸)

پھر آپ نے جاگیر کی اسناد کا نقشہ منگوایا، اسناد آپ کو پڑھ کر سنایا جاتا، آپ اس کو قینچی سے کاٹ کاٹ کر الگ کرتے جاتے، اور اس طرح ہر ایک کو اس کا حق واپس دلاتے۔ اس امر میں آپ نے اتنی شدت برتی کہ اپنے پاس ایک نگینہ تک نہ رہنے دیا۔ (ابن سعد، ج۵، ص:۲۵۲)

حضرت عمر بن عبد العزیز کی بیوی کے پاس ایک قیمتی گوہر تھا، جس کو آپ کے چچا نے اپنی نور نظر بیٹی کو دیا تھا۔ آپ نے فرمایا ''اپنا تمام زیور مع گوہر کے بیت المال میں جمع کر دو یا مجھ سے اپنا تعلق ختم کر لو''۔ یہ سن کر وفا شعار بیوی نے اپنے جواہرات مع گوہر کے بیت المال میں جمع کر دیے۔ (تاریخ الخلفاء، ص۱۸۶)

ذمیوں کے ساتھ عدل وانصاف:

کسی حاکم کے عدل وانصاف اور ظلم وزیادتی کا اندازہ اہل مذہب اور ذمیوں کے ساتھ سلوک اور طرز عمل سے ہوتا ہے، آپ نے مسلم اور غیر مسلم کے شہریوں کے حقوق کو یکساں کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو کسی وجہ سے قتل کر دیا، آپ نے قاتل کو پکڑ کر مقتول کے وارثوں کے حوالے کر دیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح ایک عیسائی نے خلیفہ عبد الملک کے بیٹے ہشام پر دعویٰ کر دیا۔ جب مدعی اور مدعا علیہ حاضر ہوئے تو آپ نے دونوں کو برابر کھڑا کر دیا۔ تو ہشام کا چہرا اس بے عزتی سے سرخ ہو گیا۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا ''اس کے برابر کھڑے رہو شریعت مطہرہ کی شان عدالت یہی ہے کہ ایک بادشاہ کا بیٹا عدالت میں ایک نصرانی کے برابر میں کھڑا رہے۔ (ابن سعد، ج۵، ص:۲۸۰)

حضرت عمر بن عبد العزیز کا دور حکومت صرف دو سال پانچ ماہ ہے۔ اس مختصر اور قلیل مدت میں خلق خدا نے یوں محسوس کیا کہ زمین وآسمان کے درمیان عدل وانصاف کا ترازو کھڑا ہو گیا ہے، اور قدرت الٰہی خود آگے بڑھ کر انسانیت کو آزادی، محبت اور خوشحالی کا تاج پہنا رہی ہے۔

احیائے شریعت:

جس طرح آپ نے عدل وانصاف اور بھلائی وخیر خواہی کے ذریعہ سیاسی حکومت میں انقلاب برپا کر دیا۔ اسی طرح دین کا احیا اور شریعت مطہرہ کی تجدید میں نمایاں کردار ادا کیا، آپ نے تارک صلوٰۃ کے بارے میں سخت فرمان جاری کیے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جو شخص خدا کے فرائض کو ترک کرتا ہے، وہ لوگوں کے فرائض کو بدرجہ اولیٰ ترک کرے گا۔ اور زکوٰۃ کے بارے میں عدی بن ارطاہ کے پاس خط ارسال کیا اور لوگوں کو صدقات اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کی۔ (سیرت عبد العزیز۔ ص:۱۰۳۔۸۸)

اموی دور حکومت میں نبیذ کے بہانے لوگوں میں شراب پینے کا عام رواج ہو گیا تھا۔ آپ نے اس سلسلے میں بھی سخت پابندی عائد فرمائی۔ اور بے شمار بری بدعات کا خاتمہ فرمایا۔ (کتاب الولاۃ، ص:۶۸)

بنوامیہ میں ایک رواج چلا آ رہا تھا کہ جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی پر لعن وطعن کیا کرتے تھے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس پر سخت پابندی لگائی،اور غیر مناسب الفاظ کی جگہ کلام ربانی کی یہ آیت داخل کی۔ ''اِنَّ اللّٰہَ یَاْ مُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبیٰ وَ یَنْھیٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ '' (سورۃ النحل، آیت نمبر:۹۰) جو آج تک جمعہ کے خطبہ میں جاری ہے۔ (سیرت خلفائے عاشدین۔ص۱۱۸)

وفات:

آپ کی عادت وکردار کی وجہ سے بعض اموی افراد کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ یہ زیادہ عرصہ خلیفہ رہے تو پھر ہم کبھی بھی مسند خلافت پر متمکن نہیں ہو سکتے۔چنانچہ ان لوگوں نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار اشرفی دے کر آپ کے کھانے میں زہر ملوا دیا۔جب آپ کو علم ہوا تو اس کو پاس بلایا اور اس سے رشوت کی اشرفیاں لے کر بیت المال میں جمع کروادیں،اور فرمایا'' جاؤ میں تمہیں اللہ کے لیے معاف اور آزاد کرتا ہوں۔چنانچہ ۲۰ دن بیمار رہ کر ۲۵/رجب المرجب ۱۰۱ھ میں مقام دیرسمعان میں انتقال فرمایا۔انتقال کے وقت آپ کی عمر شریف ۳۹ سال ۶ ماہ کی تھی۔ (تاریخ الخلفاء،ص:۱۹۷)

فی الحقیقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مختصر مدت میں جو کارنامے انجام دیے۔وہ قیامت تک آپ کا نام زندہ و جاوید رکھیں گے۔نیز آپ کا دور خلافت آج کے حاکموں کے لیے مشعل راہ ہے۔کہ جن پر عمل پیرا ہوکر وہ بھی اپنے ممالک کو ایک مثالی بنا سکتے ہیں۔

☆☆☆

اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق

محمدمقیم رضا بریلوی

اسلام کی امتیازی وانفرادی خوبیوں میں سے ایک اہم خوبی یہ ہے کہ حقوق کے تحفظ پر خاص توجہ دی گئی ہے۔اسلام نے ہر ایک کے حقوق کا مکمل خیال رکھا،خواہ ماں باپ کے حقوق ہوں یا قرابت داروں کے حقوق،محتاج ومسکین کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہو یا یتیموں اور بیواؤں کے ساتھ خوش اخلاقی کا،غرض کہ ہر فرد کا پورا خیال اور حقوق کی ادائیگی کی مکمل تعلیم صرف اور صرف دین اسلام میں نظر آتی ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق کے متعلق اللہ رب العزت قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

''وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا'' (سورۃ النساء،پ:۵،آیت ۳۶)

ترجمہ۔اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے بے شک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا۔ (کنزالایمان)

اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں جہاں ماں باپ رشتہ داروں،یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور حسن سلوک کا حکم فرمایا وہیں پڑوسیوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور نیک برتاؤ کا بھی حکم دیا۔اسلام میں پڑوسیوں کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس حدیث پاک سے لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے متعلق برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ پڑوسی کو وارث نہ بنا دیں۔ (بخاری شریف،باب الوصایہ بالجار،ج:۲،ص:۸۸۰)

اور ایک مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ کون؟ فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی آفتوں سے محفوظ نہ ہو۔ (بخاری شریف، باب اثم من لایا من جارہ بوائقہ، ص: ۸۸۹)

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرے گا اور ان کو تکلیف دے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور اس کی سزا کا مستحق ہے۔ ذرا اس حدیث پاک کے تیور کو ملاحظہ فرمائیں کہ تین مرتبہ قسم کے ساتھ اس شخص کے ایمان کی نفی فرمائی گئی ہے جو اپنے پڑوسیوں کو ستاتا ہے۔ اس سے ان حضرات کو سبق لینا چاہیے جو اپنے پڑوسیوں سے صبح وشام لڑائی جھگڑا اور گالی گلوج کرتے ہیں۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا مسلمانوں کی عظمت کا مظہر ہے اس لیے کہ پڑوسیوں سے اچھے برتاؤ کو اسلامی اخلاق کا جز قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کرے، جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مہمان کا احترام کرے، جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ پڑوسیوں کا بنیادی حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ اچھا اور نیک سلوک کیا جائے۔ حسن سلوک کی بہت سی صورتیں ہیں۔ پڑوسیوں کے ساتھ اچھے اخلاق کی شریعت اسلامیہ میں بہت زیادہ ترغیب دی گئی ہے۔ پڑوسیوں کے مصائب وآلام میں ان کے کام آئے، جہاں تک ممکن ہو ان کی مدد کرے، ان کے گھر کے سامنے کوڑا کرکٹ نہ ڈالے، ان کے بچوں کے ساتھ شفقت کرے، اگر ان کے ساتھ کسی قسم کی بھلائی نہ کرے تو کم از کم اتنا ضرور کرے کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔ مذکورہ حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کو ایمان کا جز قرار دیا ہے۔

پڑوسیوں کے بنیادی حقوق:

امام زہری کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہمسائے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کر دو کہ

ساتھ کے چالیس گھر ہمسائیگی میں داخل ہیں۔ امام زہری نے فرمایا کہ چالیس اِدھر چالیس اُدھر اور چاروں طرف اشارہ کیا۔ ہمسائے صرف ایک طرف کے نہیں ہیں، بلکہ ہر طرف کے ہیں اور حسب مراتب سب کے حقوق ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پڑوسی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض کے تین حقوق ہیں بعض کے دو حقوق ہیں، بعض کا صرف ایک حق ہے۔ جو پڑوسی مسلم ہو اور رشتہ دار ہو اس کے تین حقوق ہیں۔ حق جوار، حق اسلام، اور حق قرابت۔ اور پڑوسی مسلم کے دو حق ہیں۔ حق اسلام، حق جوار اور کافر پڑوسی کا صرف ایک حق ہے، حق جوار۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ان کو قربانیوں میں سے دیں، فرمایا مشرکین کو قربانیوں میں سے کچھ نہ دو۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ ہمسائے کے بعض حقوق صرف اخلاق و رواداری سے تعلق رکھتے ہیں جن میں کافر ہمسایہ اور مسلم ہمسایہ برابر کے شریک ہیں، جب کہ بعض حقوق صرف انسانیت کی بنیاد پر عائد ہوتے ہیں اس حق میں بھی دونوں برابر کے شریک ہیں اور بعض حقوق صرف اسلام کی بنا پر عائد ہوتے ہیں یہ صرف مسلم کا ہی حق ہے اس میں کافر کا حصہ نہیں۔

اخلاقی حقوق وہ حقوق ہیں جو ہمسائے سے متعلق ہوتے ہیں اور ان کی بنیاد صرف اور صرف حسن اخلاق و رواداری ہوا کرتی ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ والرضوان نے بڑے عمدہ طریقے سے ان کو بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ ہمسائے کے حق میں یہ بھی ہے کہ اس سے طویل گفتگو نہ کرے، اس سے زیادہ سوال نہ کرے۔ اگر وہ مرض اور بیماری میں گرفتار ہو تو اس کی عیادت کرے، مصیبت میں اس کو تسلی دے، اگر اس کے یہاں موت ہو تو اس کے ساتھ رہے، اس کی غلطیوں کو درگزر کر دے، چھت سے اس کے گھر میں نہ جھانکے، پڑوسی اپنے گھر کی طرف جو کچھ لے جائے اسے گھور کر نہ دیکھے، اس کے گھر کے صحن میں مٹی نہ پھینکے، اس کے گھر کا راستہ تنگ نہ کرے، اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے، جب اسے کوئی مصیبت لاحق ہو تو اس کی مدد کرے، اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر کی دیکھ بھال کرے، اس کی غیبت نہ کرے، اس کی اولاد سے نرمی سے گفتگو کرے، جن دینی و دنیوی امور سے ناواقف ہو اس میں اس کی رہنمائی کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جانتے ہو ہمسائے کا حق کیا ہے جب وہ تجھ سے

مدد مانگے تو اس کی مدد کر اگر وہ تجھ سے قرض مانگے تو قرض دے۔ ہمسائے کے یہ وہ حقوق ہیں جو اس کے دوسرے ہمسائے پر عائد ہوتے ہیں اور اخلاقیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواہ پڑوسی مسلم ہو یا کافر۔ ان اخلاقی حقوق میں جن حقوق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ درج ذیل ہیں ان پر مزید روشنی ڈالنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

''عن ابی ذر رضی الله عنه قال ان خلیلی رسول الله صلی الله علیه وسلم اوصانی اذا طبخت مرقا فاکثر مائها ثم انظر اهل بیت من جیرانک فاصبهم منها بالمعروف'' (صحیح مسلم شریف، ج:۲، کتاب البر والصلة والادب، باب الوصية بالجار والاحسان اليه، ص: ۳۲۹)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ میرے خلیل اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ جب تم شوربے والا سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرلو پھر اپنے پڑوسیوں کے گھر والوں کو دیکھو اور ان کو بھلائی کے ساتھ اس میں سے کچھ حصہ پہنچاؤ۔

پھر ارشاد فرمایا۔

''عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا طبخت مرقة فاکثر ماء ها و تعاهد جیرانک'' (صحیح مسلم شریف، ج:۲، کتاب البر والصلة والادب، باب الوصية بالجار والاحسان اليه، ص: ۳۲۹)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے! ابو ذر جب تم شوربے والا سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرلو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پڑوسی اگر مسکین ہوں تو انہیں نظر انداز کرنا اسلام میں ناپسندیدہ ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ ایسے غریب ہمسائے کا خیال رکھیں۔

دو ہمسایوں کا آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ پیش کرنا بھی ایک دوسرے کا اخلاقی حق ہے تاکہ دونوں میں باہمی اخوت و محبت کا تعلق بنے اور معاشرے میں سازگار ماحول پیدا ہو۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہمسایوں کا ایک دوسرے کو تحفہ تحائف پیش کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

''یانساء المسلمات لا تحقرن جارة لجارتها ولو فرسن شاة'' اے مسلمانوں کی

عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کوئی ہدیہ کمتر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کا کھر ہو۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ پڑوسی کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کریں امیر اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق، غریب یہ نہ سوچے کہ معمولی چیز کسی کو کیا ہدیہ دیں، اس کا معمولی سا ہدیہ عنداللہ مقبول ہوگا، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ دے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ **''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَّرَهٗ''**

بلکہ جو غریب کا ہدیہ بھیجا ہوا ہو امیر کے دل میں اس کی قدر میں اضافے کا باعث ہوگا البتہ امیر کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے شایانِ شان ہدیہ بھیجے، کیوں کہ وہ سائل سے بہتر ہے۔ یہ نہ ہو جو چیز خراب ہو اور اس کو خود پسند نہ کرتا ہو تو اس کو ہمسائے کو بطور ہدیہ دے۔ اس میں عدم اخلاص کے ساتھ ساتھ پڑوسی کی حقارت بھی شامل ہے، جب کہ ہدیہ کا مقصد اخلاص و محبت کا اظہار ہے۔ ہاں اگر تحقیر شان والی بات نہ ہو تو پھر کمتر چیز بھی جو اپنے لیے پسند نہ ہو کسی غریب کو دے دینا اسے پھینک دینے سے بہتر ہے۔ بشرطیکہ بجائے خود وہ شئی کار آمد ہو۔

انسانی حقوق:

پڑوسی کے بعض حقوق وہ ہیں جو صرف انسانیت کی بنیاد پر عائد ہوتے ہیں اس کے علاوہ چند حقوق یہ بھی ہیں کہ ہمسائے کے ساتھ عدل و مساوات اور انصاف کا برتاؤ کرے اور اس کے ساتھ کبھی ظلم و زیادتی نہ کرے، اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے جب وہ پریشان بیمار ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

اسلامی حقوق:

پڑوسی کے بعض وہ حقوق ہیں جو صرف اور صرف اسلام اور مسلمان ہونے کے ناطے نافذ ہوتے ہیں۔ یہ وہ حقوق ہیں جو مسلم ہمسائے کے ساتھ خاص ہیں، کافر ہمسائے اس میں شامل نہیں ہیں، اس طرح کے چند حقوق یہ ہیں۔ (۱) اپنے مسلم پڑوسی سے ملتے ہی سلام کرے اور اس کی خیریت معلوم کرے کیوں کہ اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کوئی مسلمان تمہارے سامنے آئے وہ جان پہچان کا ہو یا نہ ہو سلام کرو اور اس کا جواب دو۔ (۲) سلام کا جواب دینا (۳) جنازہ میں شرکت کرنا۔ (۴) تعزیت میں اہل خانہ کے پاس

جانا یہ ایسے حقوق ہیں جو صرف مسلم ہمسائے کے حق میں نافذ ہوتے ہیں۔

لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے ہمسائے کے حقوق کی کما حقہ ادائیگی کریں اور ان کا ہر جہت اور ہر اعتبار سے خیال رکھیں اور فرامین خدا و رسول پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں۔

☆☆☆

اسلام اور مہمان نوازی

محمد تبریز عالم چشتی جالونی

اسلام ایک ہمہ گیر اور کامل ترین مذہب ہے، اس میں انسانیت کی بقا اور اس کے عروج وارتقا کے زریں اصول پنہاں ہیں۔ انسانی حقوق کی پاسداری، معاشرہ میں باہمی حقوق کا احترام اور اعلیٰ اخلاق کا قیام اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام حقوق و واجبات کی ادائیگی کے ساتھ اخلاقی اقدار کی حفاظت وصیانت کا بھی درس دیتا ہے۔ آپسی میل و محبت رشتوں کی اہمیت و افادیت سمجھنے اور قرابت کی حفاظت کی تاکید کرتا ہے۔ مہمان نوازی بھی ایک ایسا وصف ہے جو رشتوں کے استحکام و دوام کا سبب اور آپسی میل محبت کے فروغ کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اسلام نے اپنے ماننے والوں کو مہمان نوازی کی خصوصی ترغیب دی ہے اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں بے شمار عملی نمونے پیش کیے ہیں۔ ہمارے اسلاف کی سیرت سے بھی ہمیں مہمانوں کے ساتھ عمدہ اخلاق پیش کرنے کا درس ملتا ہے۔

مہمانوں کی مہمان نوازی اور خوش اخلاقی اور نرم مزاجی کے ساتھ ان سے ملاقات کرنا اور ان کی دل جوئی کرنا، اپنی استطاعت کے مطابق ان کے لیے عمدہ کھانا تیار کرنا اور ہر طرح سے ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا حصہ ہے، مذہب اسلام میں اس کے بہت سارے فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ذیل کی سطور میں اسی تناظر میں مہمان نوازی کے فضائل کو احادیث کی روشنی میں سپرد قرطاس کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

مہمان نوازی احادیث کی روشنی میں:

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں مہمان نوازی کے فضائل ومحاسن بیان فرمائے ہیں، اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہمان نوازی کو جزو اسلام قرار دیا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مہمانوں کو زیادہ تر مسجد نبوی شریف میں ٹھہراتے اور خود ان کی خدمت کرتے۔ مہمان نوازی میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلم وکافر کے مابین کوئی فرق نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اکثر کافر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی اور خوش اخلاقی اور حسن سلوک

سے متاثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہو جاتے۔مہمانوں کے حق ضیافت کو بیان کرتے ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''عن ابی شریح الکعبی ان رسول الله علیه وسلم قال من کان یؤمن بالله والیوم الآخر فلیکرم ضیفه جائز ته یوم و لیلة والضیافة ثلاثة ایام فما بعدذلک فهو صد قة ولا یحل له یثوی عنده حتی یخرجه '' (بخاری شریف، کتاب الادب ،باب اکرم الضیف و خدمته ایاه بنفسه، ج:۲ ،ص:۹۰۶)

ترجمہ۔حضرت ابوشریح کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے مہمانوں کی عزت کرے ایک رات اور دن تو اس کا حق ہے اور تین دن تک ضیافت ہے اور اس سے آگے صدقہ ہے۔کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے کے پاس اتنا ٹھہرے کہ جسے گھر سے نکلنے پر مجبور کردے۔

کوئی ہماری مہمان نوازی کرے یا نہ کرے ہمیں اس کی مہمان نوازی کرنے کا حکم ہے۔جیسا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''عن ابی الاحوص الجشمی عن ابیه قال قلت یا رسول الله الرجل امر به فلا یقرینی ولا یضیفنی فیمر بی افاجزیه قال لا قره'' (جامع ترمذی، کتاب البر والصلة ،باب ماجاء فی الاحسان والعفو، ج:۲،ص:۲۱)

ترجمہ۔حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیے کہ میں ایک شخص کے یہاں گیا اس نے میری مہمان نوازی نہیں کی اب اگر وہ میرے یہاں آئے تو میں اس کی مہمان نوازی کروں یا اس سے بدلہ لوں؟ تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس کی مہمان نوازی کرو۔

حضرت انس کی روایت ہے:۔

'' عن انس ابن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الخیر اسرع الی البیت الذی یفشی من الشفرة الی سنام البعیر'' (سنن ابن ماجه ، ج:۲ ،کتاب الاطعمه ،باب الضیافة .ص:۲۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں مہمان ہو اس گھر میں خیر و برکت اس طرح دوڑتی ہے جیسے اونٹ کے گردن پر چھری بلکہ اس سے بھی تیز۔

چھری اونٹ کی گردن پر رکھ دیں تو فوراً سرک کر نیچے کی طرف آجاتی ہے، مہمان کی وجہ سے خیر و برکت اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ سلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مہمان نوازی نہیں کرتا ہے تو اس میں اس کے لیے کوئی خیر نہیں ہے اور فرمایا کہ مہمان کے واسطے تکلف نہ کرو۔(کیمیائے سعادت)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے:۔

''عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من السنة ان یخرج الرجل مع ضیفه الی باب الدار '' (سنن ابن ماجه ،کتاب الاطعمه ،باب الضیافة ،ج:۲،ص:۲۴۹)

ترجمہ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنت یہ ہے کہ مہمان کو دروازہ تک رخصت کرنے جائے۔نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مہمان کسی کے یہاں آتا ہے تو اپنا رزق لے کر آتا ہے، بلکہ مہمان بعد میں پہنچتا ہے اس کا رزق پہلے پہنچ جاتا ہے اور جب اس کے یہاں سے جاتا ہے تو صاحب خانہ کے گناہ بخشے جانے کا سبب ہوتا ہے۔

مہمان نوازی انبیائے کرام کی سنت:

''ان الله تعالیٰ اوحی الی ابراهیم علیه السلام اکرم اضیافک فاعد لکل منهم شاة مشویة فاوحی الیه اکرم فجعله ثورا فاوحی الیه اکرم فجعله جملا فاوحی الیه اکرم فتحیر فیه فعلم ان اکرم الضیف لیس کثرة الطعام فخدمتهم بنفسه فاوحی الیه الان اکرمت الضیف '' (روح البیان، ج:۹،سورہ ذاریات،ص:۱۶۱)

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کرو تو آپ نے ہر ایک مہمان کے لیے ایک بھنی ہوئی بکری کو پیش کیا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی آپ

اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کروتو آپ نے ان کے کھانے کے لیے ایک گائے پیش کی پھر وحی آئی کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کروتو آپ نے ان کے لیے ایک اونٹ پیش کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اپنے مہمانوں کی مہمان نوازی کروتو آپ غور وفکر میں پڑ گئے غور وفکر کے بعد آپ کو معلوم ہوا صرف کھانے کی زیادتی سے مہمان نوازی نہیں ہوتی تو آپ نے اپنے ہاتھوں خود مہمانوں کی خدمت کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اب تم نے مہمان نوازی کی۔

تنبیہ الغافلین میں ہے:۔

”عن عطاء قال: کان ابراھیم صلوٰت اللہ تعالیٰ علیه وسلامه اذا اراد ان یتغذیٰ و لم یجد من یتغذیٰ معه سار المیل والمیلین فی طلب من یتغذیٰ معه“ (تنبیه الغافلین ،باب فضل اطعام الطعام وحسن الخلق ،ص:۲۶۳)

ترجمہ۔حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جب کھانے کا وقت ہوتا اور کوئی کھانے والا نہ ہوتا تو ایک یا دو میل تک اس کی تلاش میں نکل جاتے تھے کہ کوئی ساتھ میں کھانے والا مل جائے۔

حضرت عکرمہ کی روایت ہے:۔

”عن عکرمة رضی اللہ عنه قال: کان ابراھیم صلوٰت اللہ تعالیٰ علیه و سلامه یسمی ابا الضیفان و کان تقصره اربعة ابواب ینظر من اتیٰ مجی المرء“

ترجمہ۔حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لقب ”ابو الضیفان“ مہمانوں کا باپ مشہور ومعروف تھا ان کے مکان کے چار دروازے تھے اور وہ دیکھتے رہتے تھے کس دروازے سے کوئی آنے والا آتا ہے۔(تنبیه الغافلین ،باب فضلة الطعام و حسن الخلق ،ص:۲۶۳)

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے آپ سے پوچھا۔ابا جان کون سے عمل نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا خلیل بنا دیا ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جواب دیا کہ اے بیٹے تین باتوں کی وجہ مجھے یہ شرف حاصل ہوا، پہلی بات یہ کہ میں نے اللہ تعالیٰ

کے حکم کو ہر ایک حکم پر ترجیح دی ہے اور اس کی اطاعت کی ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ میں نے تمام کام اللہ تعالیٰ کی کفالت میں چھوڑ دیے ہیں۔تیسری بات یہ ہے کہ میں نے بغیر مہمان کے کبھی دن ہو یا رات کھانا نہیں کھایا ہے۔(تذکرۃ الواعظین)

ایک دفعہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ایک مہمان آیا تو آپ نے قرض لے کر اس کی مہمان نوازی فرمائی۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا فلاں یہودی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ مجھے آٹا قرض دے دے رجب کے مہینے میں ادا کردوں گا، کیوں کہ ایک مہمان میرے پاس آیا ہوا ہے۔یہودی نے کہا جب تک کچھ گروی نہ رکھو گے آٹا نہ دوں گا، حضرت ابورافع کہتے ہیں میں واپس آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا جواب عرض کیا۔آپ نے فرمایا واللہ میں آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں اگر وہ دے دیتا تو میں ادا کردیتا۔اب میری وہ ذرہ لے اور گروی رکھ آ۔میں گیا اور ذرہ گروی رکھ کر آٹا لے آیا۔(تفسیر طبری،۱۶/۲۳۵)

میزبان مہمان کے ساتھ کھانا کھائے:

مہمان نوازی کے لیے چند باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہیے مثلاً خوش اخلاقی سے ملاقات کرنا ان کی دل جوئی کرنا اور ان کی فرمائش کو پورا کرنا، اس کے ساتھ کھانا کھانا کیوں کہ اگر میزبان ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھائے گا۔تو مہمان کو اجنبیت کا احساس ہوگا، میزبان کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے جس سے مہمان کی دل آزاری ہو۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے دوست رکھیں تو اسے چاہیے کہ وہ مہمان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے۔جیسا کہ صحابی رسول حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر کھانا کھایا کہ ایک مرتبہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مہمان حاضر ہوا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کرام کی طرف دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو اس مہمان کی خدمت کرے؟ حضرت ابوطلحہ اس سعادت کو ہنسی خوشی قبول کرتے ہوئے سرکار کے مہمان کو اپنے گھر لے آئے اور اپنی زوجہ ام سلیم سے کہا کہ گھر میں کچھ کھانا موجود ہے؟ بیوی نے عرض کی صرف ایک آدمی کا کھانا ہے۔آپ نے بیوی سے کہا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو اور کھانا

مہمان کے سامنے رکھ دو پھر چراغ کی بتی کو درست کرنے کے بہانے سے اٹھو اور اس کو بجھا دو پھر ہم دونوں لوگ اندھیرے میں مہمان کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھ جائیں اور مہمان کو دکھانے کے لیے ہم دونوں برتن میں ہاتھ ڈالتے رہیں اور یوں ہی منہ چلاتے رہیں تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم دونوں بھی کھانا کھا رہے ہیں۔اس طرح مہمان شکم سیر ہو کر کھانا کھالے گا اور مہمان کو اجنبیت کا احساس بھی نہیں ہوگا۔چنانچہ بی بی ام سلیم نے ایسا ہی کیا کہ مہمان کو خوب کھانا کھلایا۔اور بھوکے ہی پورا گھر سویا۔جب صبح ہوئی تو حضرت ابوطلحہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے طلحہ تمہاری رات کی مہمان نوازی پروردگار عالم کو بہت پسند آئی۔(

بخاری شریف، کتاب المناقب، ج:۱،ص:۵۳۶)

مہمان کی فرمائش پر میزبان کا رویہ کیا ہو:

مہمان نوازی کرنا یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے، لیکن مہمان کو بھی چاہیے کہ وہ میزبان پر بوجھ نہ بن جائے اور ایسی فرمائش نہ کرے جو میزبان پر گراں ثابت ہو، اگر یہ بات معلوم ہو کہ میزبان اس کو نہایت خوش اسلوبی سے پورا کرے گا اور مہمان کی اس فرمائش سے میزبان خوش بھی ہوگا تو ایسی فرمائش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں حضرت سیدنا زعفرانی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانے پر بطور مہمان ٹھہرے ہوئے تھے، زعفرانی صاحب روزانہ مختلف قسم کے کھانوں کی فہرست باورچی کے حوالے کر دیتے، ایک دن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فہرست میں ایک قسم کے کھانے کا اضافہ فرمایا اور اس پر دستخط فرما دیا، جب زعفرانی صاحب نے اس تحریر کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور اس خوشی میں اس کنیز کو جس کے ہاتھ میں کھانے کی فہرست کو دیکھا تھا آزاد کر دیا۔اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہمان کی فرمائش پر میزبان کو خوش ہونا چاہیے اور اللہ کی اس نعمت پر شکر ادا کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہم سب کو مہمانوں کی مہمان نوازی اور ان کی تعظیم و توقیر کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر گامزن رکھے۔

☆☆☆

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ

محمد سیف رضا چشتی گوپی گنجوی

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخ انسانی کا ایسا کوئی لمحہ پیش نہیں کیا جا سکتا کہ جس میں امن و خوش حالی کی ضرورت محسوس نہ کی گئی ہو، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کائنات میں امن اور خوش حالی سے بھرا ہوا ماحول اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ہمارے معاشرہ کا ہر فرد اخلاق و کردار کا اعلیٰ نمونہ پیش کرے، لہذا جب کبھی دنیا اخلاقی حیثیت کھو بیٹھتی ہے خوش حالی مفقود ہو جاتی ہے۔ایسی صورت میں بہترین مذہب اور بہترین نظام حیات وہی سمجھا جاتا ہے جو امن و خوش حالی کی قدروں کو اجاگر کرے، جو اپنی اخلاقی تعلیمات سے اپنے متبعین کو راہ راست سے اور خط مستقیم سے ذرہ برابر بھی بھٹکنے نہ دے، یہ ساری باتیں آپ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ملیں گی۔جو آپ کے پیش کردہ نظام حیات کا عملی نمونہ ہیں۔ہم اختصار کے ساتھ آپ کے اسوۂ حسنہ اور اخلاق حسنہ کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسوۂ حسنہ کے بہت سارے گوشے ہیں مثلاً حسن معاشرت، خودداری، مساوات، ایثار قربانی، عفو و درگزر، صبر و رضا اور اخلاق۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سب عناصر کو عنوان کی شکل میں علیحدہ پیش کیا جائے، لہذا بطور اجمالا سب پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ دنیا کو یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا اخلاق اور مجسم نمونہ عمل بنا کر کس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا۔اور اس کو پڑھ کر دنیا کا ہر فرد اپنی زندگی میں سرکار کے اسوہ اور اخلاق کو داخل کر کے پھر سے دنیا کو امن و شانتی کا حسین گہوارہ بنا سکے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے وصال تک کل تیئس برس کی قلیل مدت ہے جس میں آپ نے اپنی دعوت و تبلیغ کے ذریعہ عالم انسانیت کا مزاج بدل دیا۔قوم کی اصلاح بہت کٹھن کام ہے جس میں سینکڑوں برس کی کوششوں کے باوجود کامیابی نہیں ملتی۔عربوں کی حالت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر کون سی برائی اور وہ کون سا گھناؤنا کام موجود نہ تھا۔جوا، شراب، لوٹ مار، قتل، غارت گری، عیاشی، بے حیائی، بد اخلاقی، وحشیانہ طرز عمل

یہ تمام برائیاں عربوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں اور حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ وہ ان عیبوں کو عیب نہیں سمجھتے تھے کوئی باضابطہ حکومت بھی نہیں تھی جو انہیں ان برائیوں سے روکتی اور نہ تو خود ان کے پاس تعلیم ہی تھی کہ خود ان برائیوں کو محسوس کر کے سیدھی اور سچی راہ اپناتے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے شکل وصورت میں پنپتی ہوئی حیوانیت کے خاتمہ کا کام شروع فرمایا۔ تیئس سال کی مختصر سی مدت میں ان کی کایہ پلٹ کر رکھ دی، ان کی بری عادتوں کو اچھی عادتوں میں تبدیل فرما دیا، بے ہودہ خصلتیں وحشیانہ طور طریقے سب کے سب یکساں بدل گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا عرب پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ ہو گیا۔ اس شاندار کامیابی میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق اور آپ کے اسوۂ حسنہ کا بہت بڑا دخل ہے۔

حلم اور عفو:

آپ کی زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ ہے آپ کا حلم وعفو۔ مکی اور مدنی زندگی میں کافروں نے آپ کے ساتھ کون سی زیادتیاں نہیں کیں۔ گالیاں دیں، چہرۂ انور کو خاک آلود کیا، راستوں پر کانٹے بچھائے، دوران نماز پشت انور پر اوجھڑی ڈالی، چادر سے گلا گھونٹا، طائف میں اتنے پتھر برسائے کہ قدم مبارک شل ہو گئے۔ مگر آپ نے کبھی بھی ان کے حق میں بددعا نہیں فرمائی۔ ہمیشہ دعاؤں سے نوازا کہ اے خدا! انہیں صراط مستقیم عطا کر، یہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔ کتب سیر وتواریخ یہ بھی بتاتی ہیں کہ مکہ کے کافروں نے آپ کو تین سال تک ابوطالب کی گھاٹی میں بند رکھا، آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا، مدینہ پر چڑھائی کی، لیکن جب آپ فتح مکہ کے وقت فاتحانہ شان سے داخل ہوئے تو ہونا تو یہ چاہیے کہ سارے ظلم وستم کا حساب لیا جاتا، مگر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ آج تم سے کوئی معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ تم سب آزاد ہو، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو ودرگزر کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ:

دشمنوں کے ساتھ آپ نرمی ومہربانی کا برتاؤ کرتے تھے۔ یہودی مسلمانوں کے سخت

دشمن تھے آئے دن فتنہ وفساد کرتے رہتے تھے، مگر آپ نے ان کی سختیوں کو ہمیشہ برداشت کیا۔ ایک یہودی کا آپ پر کچھ قرض تھا، وعدے کی مدت میں تین یا چار روز ابھی باقی تھے، مگر وہ پہلے ہی سے مانگنے آ گیا آپ کی چادر پکڑ کر زور سے کھینچی اور گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا اے عبد المطلب کی اولاد! تو اسی طرح ٹال مٹول کرتا ہے، اس بدتمیزی پر حضرت عمر نے اسے سخت ڈانٹ لگائی اور بہت ناراض ہوئے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا عمر تمہیں تو چاہیے تھا کہ اس سے کہتے کہ نرمی سے تقاضہ کرے اور مجھ سے کہتے کہ اس کا قرض ادا کر دوں۔ آپ نے اسی وقت اس کا قرض ادا کرنے کا حکم دیا، چونکہ حضرت عمر نے اس پر سختی کی تھی اس لیے قرض سے زیادہ اسے دلوایا۔ (ضیاء النبی، ج:۵، ص:۳۱۱)

عدل وانصاف:

آپ کے عدل وانصاف اور منصفانہ مزاج کے دشمن بھی قائل تھے یہی وجہ تھی کہ یہودی سخت دشمنی کے باوجود آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ آپ ہی سے کراتے۔ مسلمان غریب تھے، وہ اکثر صاحب ثروت یہودیوں سے قرض لیتے تھے، ایک دفعہ ایک صحابی نے کسی یہودی سے قرض لیا، یہودی نے تقاضہ کیا، صحابی رسول کے پاس دینے کے کچھ نہ تھا وہ یہودی صحابی رسول کو رسول اللہ کی بارگاہ میں لے آیا۔ آپ نے انہیں تاکید کی کہ ابھی قرض ادا کیا جائے، صحابی نے اپنا تہبند بیچ کر قرض ادا کیا، ایک بار ایک عورت نے چوری کی عورت دولت مند اور شریف گھرانے کی تھی، لوگ چاہتے تھے کہ یہ معاملہ یوں ہی دب جائے، حضرت اسامہ بن زید کے ذریعہ سفارش کی گئی، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر بہت ناراض ہوئے، فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ بھی یہ حرکت کرتی تو اس کو بھی یہی سزا دی جاتی۔

اخلاق:

طبیعت مبارکہ میں سختی نام کی کوئی بھی چیز نہ تھی، کبھی کوئی سخت کلمہ زبان سے نہ نکالا، دوسرے پر عیب لگانا برا سمجھتے، عمر بھر کبھی کسی کو برا نہ کہا، برائی کے بدلے برائی کبھی پسند نہ فرماتے۔ معاف کرنا عادت خاصہ تھی، کبھی کسی غلام لونڈی مرد وعورت یہاں تک کہ جانور کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، کوئی ایسی بات جو آپ کے سامنے کہی جاتی، آپ کو ناپسند ہوتی تو خاموش

ہو جاتے، لوگ آپ کے چہرے سے آپ کو پہچان لیتے، دوسرا جب تک اپنی بات ختم نہ کر لیتا آپ خاموش ہو کر سن لیتے۔ کسی کی بات درمیان سے نہ کاٹتے، ضرورت سے زیادہ بات نہیں کرتے، اکثر دیہاتی یا عرب بدو آپ کے سامنے بے باکی سے گفتگو کرتے لیکن آپ تحمل فرماتے، راستے میں کوئی ملتا تو پہلے سلام کرتے، آپ کے پاس کیسا ہی برا آدمی آتا آپ نرمی سے گفتگو فرماتے۔

ایثار و قربانی:

ایثار کا مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی ضرورت کے سامنے اپنی ضرورت کا خیال نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایثار کا نمونہ تھی۔ ہمیشہ غریبی کی زندگی بسر کی، ایسا بہت کم اتفاق ہوا کہ دونوں وقت پیٹ بھر کے کھانا تناول فرمایا ہو۔ ایسی حالت میں اگر کوئی محتاج آ گیا تو گھر میں جو کچھ بھی موجود تھا اسے دے دیا، اور خود فاقہ کیا، ایک دفعہ ایک صحابی کی شادی ہوئی، غربت کا عالم یہ تھا کہ اتنی بھی قدرت نہ تھی کہ ولیمہ کی دعوت کر سکیں۔ آپ نے فرمایا کہ عائشہ کے گھر سے آٹے کی ٹوکری لے آؤ جب کہ گھر میں کھانے کا بس یہی سامان تھا۔

عربوں کی سخاوت بہت مشہور ہے، حاتم طائی کا نام کون نہیں جانتا، یہ عرب ہی کا رہنے والا تھا اور بھی بہت سے عرب سخی گزرے ہیں مگر آپ کی سخاوت ان سب سے بڑھ کر تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے آپ سے سوال کیا ہو اور آپ نے اس کے جواب میں نہیں کہا ہو، اگر کچھ پاس ہوتا تو فوراً دے دیتے ورنہ وعدہ کر لیتے۔ کبھی کہیں سے غنیمت کا مال آ جاتا تو جب تک تقسیم کر کے ختم نہ کر لیتے آپ کو بے چینی رہتی۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم امیر و غریب، دولت مند و مفلس اعلیٰ و ادنیٰ غرض کہ کوئی فرد بشر ہو ہر ایک پر آپ کی رحمت و شفقت عام تھی، اور مسلمانوں کے معاملے میں آپ کا رویہ اور بھی واضح تھا۔ یہی وجہ تھی کہ غریب اصحاب پر آپ کی شفقت ان کے لیے بڑی تسلی بخش ہوتی، جس کے باعث انہیں دولت و ثروت سے محرومی کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ غربا پروری کے سلسلہ میں چند احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص سے سرکار دوعالم نے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔

''تم کو جو روزی ملی ہے اللہ کی جانب سے وہ انہیں غریبوں کی بدولت ہے۔''

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اسامہ ابن زید سے فرمایا کہ میں نے جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دیکھا تو اس میں زیادہ تر غریبوں اور مفلسوں ہی کو پایا۔

عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص کا بیان ہے کہ ایک دن مسجد نبوی میں غریب مہاجرین ایک طرف حلقہ باندھے بیٹھے تھے اسی اثنا میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہیں غریبوں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجر فقرا کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔

عبد اللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ یہ سن کر سارے مہاجرین فقرا کے چہرے چمک اٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ اے! کاش میں انہیں میں سے ہوتا۔

اس طرح سے بے شمار واقعات کتب سیر و احادیث میں درج ہیں جس کی اس مختصر میں گنجائش نہیں، خلاصہ کلام یہ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک اور آپ کی زندگی کے شب و روز ساری کائنات کے مذاہب و ادیان کے ماننے والوں کے لیے نمونہ عمل ہیں۔ اگر آج بھی سرکار کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر لیا جائے تو سارے عالم میں امن و سکون کا ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور ظلم و ستم عداوت و بغاوت کا خاتمہ بھی۔

خدائے قدیر ہم سب کو رسول کائنات کے اسوۂ گرامی اور پاکیزہ اخلاق پر عمل کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ایک بار پھر ہم اسی دولت اور طاقت کے سہارے آفاق کی دھرتی پر پرچم اسلام بلند کر سکیں۔

☆☆☆

سید المتوکلین امام الکاملین اکبر المشائخ حضرت علامہ الحاج شاہ
سید محمد اکبر میاں چشتی رضی اللہ عنہ
ایک ہمہ جہت شخصیت

محمد معین اشرف برکاتی فتح پوری

دنیا میں انسانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ روز اول سے جاری ہے، ہزاروں لوگ آئے اور چلے گئے، اب ان کا نام لینے والا بھی کوئی نہیں ہے، مگر انہیں میں ایسی عبقری شخصیتیں بھی جلوہ گر ہوتی ہیں جو خود تو اس دار فانی کو چھوڑ کر چلی جاتی ہیں مگر ان کی عقیدتوں کا چراغ ہزاروں تاریک دلوں میں روشنی بکھیرتا رہتا ہے، ان کی یادوں کے اجالے زندگی کے ہر موڑ پر سچے راستے کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں، ایسی ہی جامع کمالات اور بابرکت شخصیتوں میں سے ایک شخصیت حضرت علامہ سید شاہ محمد اکبر میاں رضی اللہ عنہ کی بھی ہے، آپ کی ذات مبارکہ مشائخ عظام اور اسلاف کرام کے نقش قدم کی مکمل تصویر تھی اور آپ گوناگوں اوصاف وکمالات کے حامل تھے۔ ذیل کی سطور میں آپ کی قابل تقلید شخصیت کی حیات پر ہلکی سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت مبارکہ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ میں پھپھوند شریف ضلع اوریا میں ہوئی۔ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے مرشد برحق حضور خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی تھی۔

" الٰھم اجعلہ شیبا برا تقیا صالحا خلفا لآبائہ الکرام و اشیاخہ العظام رضوان اللہ علیھم اجمعین "

اے اللہ! اس بچے کو نوجوان متقی پرہیزگار، صالح اور اپنے آباواجداد اور مشائخ کرام کا خلف بنا۔

یہ دعا رب کی بارگاہ میں مقبول ہوئی اور آپ کے اندر مذکورہ تمام خوبیاں جمع ہوگئیں، جس کا اندازہ آنے والی سطور سے لگایا جاسکتا ہے۔

تعلیم وتربیت:

حضور اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ ایک زبردست عالم ومفتی تھے، آپ کو متعدد علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل تھی، آپ نے وقت کی عبقری شخصیات سے کسب علم فرمایا۔ آپ کی تسمیہ خوانی آپ کے مرشد برحق حضرت خواجہ مصباح الحسن رضی اللہ عنہ نے کروائی۔ اس کے بعد ناظرہ کی تعلیم حضرت مولانا امیر حسن صاحب سے حاصل کی، درس نظامی کی ابتدائی کتابوں کا علم حضرت علامہ مولانا رفیق الحسن صاحب چشتی (شاگرد رشید صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت) سے حاصل کیا۔ کچھ دنوں تک مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میں حضرت علامہ مولانا غلام جیلانی میرٹھی صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں رہ کر درس نظامی کی کتابیں پڑھیں اور اس کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت مفتی محبوب اشرف صاحب کی خدمت میں کانپور تشریف لے گئے، ان کی خدمت میں رہ کر منتہی کتابوں کا درس لیا اس کے بعد امین شریعت مفتی رفاقت حسین صاحب کے پاس مدرسہ احسن المدارس نئی سڑک کانپور جاکر درس نظامی کی اعلیٰ تعلیم اور منتہی کتابوں کو پڑھ کر درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ حضرت مفتی اعظم کانپور کی خصوصی توجہات اور آپ کی فطری ذہانت کی وجہ سے آپ نے مختلف علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کرلیا اور خانوادۂ صمدیہ کے علوم وفنون کے سچے وارث ہوئے۔

زہد وتقویٰ:

حضور اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ احکامات شرعیہ پر سختی سے عمل پیرا تھے، آپ نے پوری زندگی عزیمت پر عمل کرتے ہوئے گزاری۔ آپ کے چہیتے مرید وخلیفہ حضرت محمد مفتی انفاس الحسن چشتی صدر المدرسین جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کی طبیعت سخت علیل ہوگئی تو کانپور کے ایک اسپتال میں ایڈمٹ کرایا گیا، ڈاکٹروں نے چیک اپ کے بعد کہا کہ جسم میں خون کی کمی ہے لہذا خون کا چڑھنا نہایت ہی ضروری ہے، لیکن حضور اکبر المشائخ خون چڑھوانے کے لیے راضی نہ ہوئے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضور! مجلس شرعی الجامعۃ الاشرفیہ کے سیمینار میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ بوقت ضرورت خون کا چڑھوانا جائز ہے تو حضرت نے جواب دیا کہ مجلس شرعی کا فتویٰ صحیح ہے

لیکن وہ فتویٰ ہے اور تقویٰ یہ ہے کہ خون نہ چڑھایا جائے، آخر کار آپ نے خون نہیں چڑھوایا۔

آپ نے پوری زندگی میں کوئی بھی کام خلاف شرع نہ کیا بلکہ سنن و مستحبات پر سختی سے عمل کرتے رہے، چنانچہ آپ عمر کے آخری ایام میں زیادہ علیل ہوگئے، یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہوگئے تھے اس وقت آپ کو استنجا کی حاجت ہوئی تو آپ کے صاحب زادے مخدوم گرامی سید مظہر میاں صاحب قبلہ نے جلد بازی میں بائیں پیر میں چپل پہنا دی تو حضرت نے مشفقانہ تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ آپ لوگ اتنا بھی خیال نہیں رکھتے کہ پہلے کس پیر میں چپل پہنی جاتی ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضور اکبر المشائخ شریعت مطہرہ اور سنت مصطفیٰ پر کس قدر سختی سے کاربند تھے۔

توکل علی اللہ:

حضور اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ توکل علی اللہ کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ صرف اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی سے بڑی پریشانیاں بھی آپ کے پائے ثبات کو متزلزل نہ کر سکیں۔ آپ نے دنیاوی مال و متاع کی نہ تو کبھی طمع کی اور نہ ہی کبھی ذخیرہ اندوزی کی طرف توجہ فرمائی، جو کچھ بھی آپ کے پاس ہوتا خرچ کر دیتے۔ آپ کی نظر میں امیر و غریب یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ شہزادۂ اکبر المشائخ مخدوم گرامی وقار حضرت مولانا سید محمد انور میاں دام ظلہ کے بیان کے مطابق آستانہ میں بارہا ایسا بھی ہوا کہ کئی کئی دنوں تک چولہا نہیں جلا۔ ایک مرتبہ گھر میں پکنے کے لیے کچھ نہیں تھا صرف بورے میں کچھ آلو تھے، کئی دنوں تک آستانہ کے سبھی حضرات آلو ہی ابال کر کھاتے رہے اور اللہ کا شکر کرتے رہے، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا، عرس شریف کے لنگر کی بچی ہوئی روٹیاں رکھ لی جاتیں اور جب فاقہ کی نوبت آتی تو انہیں روٹیوں کو پانی سے بھگو کر آستانہ کے سبھی لوگ کھاتے سچ کہا کسی نے:

بھوکے رہتے ہیں خود اوروں کو کھلا دیتے ہیں
ایسے ہوتے ہیں محمد کے گھرانے والے

اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ اپنے تمام مریدین و متوسلین کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے کسی امیر کے ساتھ کبھی کسی طرح کا امتیازی سلوک نہیں فرماتے، آستانہ عالیہ صمدیہ پر ہر طرح کے لوگ

آتے اور دعائیں لیکر واپس ہوتے، لیکن کبھی آپ کسی کے لیے خصوصی اہتمام نہیں فرماتے، ایک مرتبہ سماج وادی پارٹی کا قومی لیڈر ملائم سنگھ یادو آپ سے ملاقات کی غرض سے ایسے وقت میں آستانہ عالیہ صمدیہ پر پہنچا جب آپ اپنے معمول کے مطابق آرام کرنے کے لیے حویلی شریف میں جا چکے تھے، آپ کو اس کے آنے کی خبر دی گئی، مگر آپ باہر تشریف نہ لائے، ملائم سنگھ یادو باہر دالان میں بیٹھ کر دو ڈھائی گھنٹہ تک انتظار کرتا رہا ظہر کی نماز کے لیے جب آپ باہر تشریف لائے تو اس نے زیارت کا شرف حاصل کیا اور پھر واپس ہو گیا۔ آپ اپنے معمول کے مطابق ہی عمل کرتے تھے باہر ملاقات کے اوقات متعین تھے ان اوقات کے علاوہ بڑے سے بڑا آدمی بھی آجاتا تو آپ باہر تشریف نہیں لاتے تھے، ہاں علما کا خاص خیال فرماتے تھے، اگر علما آپ سے ملنے کے لیے حاضر ہوتے تو آپ اطلاع ملتے ہی فوراً باہر تشریف لے آتے، ان سے محبت کے ساتھ ملتے، ان کی ضیافت فرماتے اور دعاؤں سے نواز کر رخصت فرماتے۔ پریشان حال، مصیبت زدہ، بیمار، تنگ دست اور ہر طرح کے مشکلات زمانہ کے ستائے ہوئے لوگ آپ کی بارگاہ میں دعا کی غرض سے حاضر ہوتے، آپ اللہ کی ذات پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے ان سب کے لیے صرف ایک جملہ ارشاد فرماتے ''اللہ کرم فرمانے والا ہے'' آپ کے اس جملہ میں نہ جانے کیسی تاثیر ہوتی، سب کی مرادیں پوری ہوتیں۔

دینی غیرت و حمیت:

حضور اکبر المشائخ کی ذات گرامی تمام اوصاف حمیدہ و خصائل جمیلہ سے مرصع تھی، ان اعلیٰ اوصاف میں سے ایک وصف دین کی غیرت و حمیت تھا، یعنی آپ دنیا کے تمام معاملات پر دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اہمیت دیتے اور دین کی سربلندی کی خاطر ہمیشہ کوشاں رہتے، آپ کے نزدیک اہل سنت و جماعت کی سرخروئی بہت اہمیت کی حامل تھی۔ چنانچہ دین کا کوئی بھی مسئلہ ہوتا تو نہ آپ اپنی طبیعت کا خیال کرتے اور نہ ہی کسی ضرورت کا لحاظ گویا کہ آپ کے نزدیک دین کی خدمت ہی سب سے بڑھ کر ہوتی۔

حضور اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید و خلیفہ حضرت مفتی انفاس الحسن صاحب قبلہ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک بار حضرت سخت علیل ہو گئے اس وقت آپ کے پاس آپ

کے شہزادوں کے ساتھ میں بھی حاضر تھا، اس دن جالون کے قریب ایک گاؤں میں اہل سنت اور بدمذہبوں کے درمیان نزاعی صورت پیدا ہوگئی تھی حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی ہم لوگ حضرت کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے کشمکش کی کیفیت میں تھے، اس وقت حضرت نے ہم کو پریشانی میں دیکھ کر تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ وہاں دین کا مسئلہ ہے آپ حضرات وہاں کے لیے فوراً روانہ ہو جائیں۔ حضرت کے حکم کے مطابق ان کی دعائیں لے کر روانہ ہوئے اور الحمدللہ ہم لوگوں کا وہاں جانا اہل سنت کے حق میں بڑا مفید ثابت ہوا۔ بدمذہبوں کو رسوا ہونا پڑا اور اہل سنت و جماعت کا بول بالا ہوا۔

اسی طرح ایک واقعہ اور پیش آیا کہ پوکھرایاں ضلع کانپور دیہات میں دیوبندیوں کا مناظر مولوی طاہر گیاوی اپنا جلسہ منعقد کرنے کی بار بار کوشش کرتا رہا، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل کہ ان کا جلسہ ہر بار منسوخ ہو جاتا، حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی صاحب دام ظلہ نے اپنی سعی پیہم سے ان کا جلسہ منعقد نہ ہونے دیا۔ ان حالات سے دیوبندی مایوس اور اہل سنت و جماعت کے افراد خوش تھے، اہل سنت و جماعت کی مزید تقویت اور دیابنہ کی تردید کے لیے جلسہ عام کا اہتمام ہوا۔ حضرت اس وقت سخت علالت کے سبب کانپور کے ایک اسپتال میں زیر علاج تھے۔ حضرت کو جب پوکھرایاں کے حالات معلوم ہوئے تو اسی حالت میں پوکھرایاں پہنچ کر اہل سنت و جماعت کو تقویت پہنچائی، آپ کی تشریف آوری سے اہل سنت و جماعت کے لوگوں میں عجیب جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ اجلاس میں لوگوں کا اس طرح اژدہام ہوا کہ تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی، آپ کی دینی غیرت وحمیت کا اندازہ مذکورہ دونوں واقعات سے بحسن وخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

حضور اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کے ہر گوشہ پر ایک مستقل مضمون درکار ہے، ان محدود صفحات میں ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، آپ کی حیات مبارکہ کے چند گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو یقیناً نامکمل ہے کیوں کہ آپ کی حیات مبارکہ کے خاکہ کو کماحقہ بیان کرنے کی میرے قلم میں قوت نہیں ہے۔

ہزاروں رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر — فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری

☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی

محمد راحت علی چشتی افسریا

اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کی رشد و ہدایت کے لیے انبیائے کرام اور رسولان عظام کو مبعوث فرمایا تا کہ گم گشتگان راہ کو صحیح راستہ دکھائیں اور بندوں کا رشتہ خالق حقیقی سے مستحکم کریں۔ انبیائے کرام کی تاریخ اس بات پر بھی گواہ ہے کہ جب بھی انبیائے کرام پیغام حق لے کر اپنی قوم کے پاس آئے تو قوم نے بجائے سنجیدگی سے غور وفکر کرنے کے سرکشی دکھائی اور انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو طرح طرح کی ایذا پہنچائی۔ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ ان کا ظلم اتنا بڑھا کہ کئی انبیائے کرام کو بے دریغ شہید کر دیا گیا۔ ظلم وستم کی یہی تاریخی روایت آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سرزمین مکہ میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔

جب اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کو لباس بشری میں اہل دنیا کی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ آپ نے اہل مکہ کو بت پرستی سے منع فرمایا اور معبود برحق کی عبادت کی دعوت دی تو پورا مکہ آپ کے در پے آزار ہو گیا۔ قریبی رشتہ دار بھی خون کے پیاسے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک ان کے مشق ستم بنے رہے، طرح طرح کی تکلیفیں سہ کر پیغام حق پہنچاتے رہے۔ مدینہ کے باشندے جنہوں نے یہودی علما کی زبانی نبی آخر الزماں کے متعلق پہلے ہی سے سن رکھا تھا۔ جب انہوں نے آپ کی نبوت کی خبر سنی اور کفار و مشرکین کے ستم کی رانیوں کو دیکھا تو ایک دن چپکے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور ایمان لائے آپ کو مدینہ طیبہ تشریف آوری کی دعوت دی اور جان و مال تن من دھن سے آپ کی امداد کا یقین دلایا۔

اللہ تعالیٰ کا حکم پاتے ہی آپ نے صحابہ کرام کو ہجرت کا حکم فرمایا اور خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لے کر یثرب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف عطا فرمانے کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہیں سے آپ کی مدنی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ شب و روز کی مسافت یار غار کے ساتھ فرماتے ہوئے ایک دن مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر جہاں آج مسجد قبا بنی ہوئی ہے ۱۲ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوئے اور قبیلہ بنی عمر بن عوف کے خاندان کے حضرت

کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما ہوئے۔اہل خاندان اس فخر وشرف پر کہ کئی دنوں دونوں عالم کے سرداران کے مہمان بنے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ مارا۔ چاروں طرف سے انصار جوش وخروش میں آتے اور بارگاہ رسالت میں صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتے۔اکثر صحابہ کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے وہ لوگ بھی اسی مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حکم نبوی کے مطابق قریش کی امانتیں لوٹا کر تیسرے دن مکہ سے چل پڑے وہ بھی مدینہ آ گئے اور اسی مکان میں قیام فرمایا اور حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ ان کے خاندان والے ان مقدس مہمانوں کی مہمان نوازی میں دن رات مصروف رہے۔

مدینہ ورود مسعود پر اہل مدینہ کی مسرتیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کی خبر چونکہ مدینہ میں پہلے سے پہنچ چکی تھی اور عورتوں بچوں کی زبانوں پر آپ کی تشریف آوری کا چرچا تھا،اس لیے اہل مدینہ آپ کے دیدار کے لیے انتہائی مشتاق اور بے قرار تھے۔روزانہ صبح سے نکل کر شہر کے باہر سراپا انتظار بن کر استقبال کے لیے تیار رہتے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو حسرت ویاس کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس لوٹ جاتے۔ایک دن اپنے معمول کے مطابق اہل مدینہ آپ کی راہ دیکھ کر واپس جا چکے تھے کہ ناگاہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا کہ تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری مدینہ کے قریب آ پہنچی ہے۔اس نے بآواز بلند پکارا اے مدینہ والو! تم جس کارواں کا انتظار کرتے تھے وہ کاروانِ رحمت آ گیا۔جب اہل شہر کو خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جذبات وشوق میں مشتاقانہ استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔تمام انصاری بدن پر ہتھیار سجا کر اور وجد کی حالت میں بے قرار ہو کر دونوں عالم کے تاجدار کا استقبال کرنے کے لیے نکل پڑے۔آپ کے دادا عبد المطلب کے ننہالی رشتہ دار بنونجار بھی ہتھیار لگائے قبا سے شہر تک دورویہ صفیں باندھے مستانہ وار چل رہے تھے۔آپ راستے میں تمام قبائل کی محبت کا شکریہ ادا کرتے اور سب کو خیر وبرکت کی دعائیں دیتے چلے جا رہے تھے۔شہر قریب آ گیا تو اہل مدینہ کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین اور بچیاں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور یہ استقبالیہ اشعار پڑھنے لگیں۔

طلع البدر علینا۔ من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا-- ما دعا للہ داع

ہم پر چاند طلوع ہو گیا وداع کی گھاٹیوں سے،ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک اللہ سے مانگنے والے اللہ سے دعا مانگتے رہیں۔

نحن جوار من بنی النجار :

یا حبذ محمد من جار

ہم خاندان بنونجار کی بچیاں ہیں۔واہ کیا خوب ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بچیوں کے جوش ومسرت اور ان کی والہانہ محبت سے متاثر ہو کر پوچھا کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ تو بچیوں نے یک زبان ہو کر کہا جی ہاں جی ہاں۔یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔چھوٹے چھوٹے لڑکے اور غلام مارے خوشی کے مدینہ طیبہ کی گلیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دوڑتے پھرتے تھے۔صحابی رسول براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو فرحت وسرور اور انوار وتجلیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف لانے کے دن ظاہر ہوئے نہ اس سے قبل کبھی ظاہر ہوئی ہے نہ اس کے بعد۔(سیرت مصطفیٰ جان رحمت،۱/۱۶۷)

ابوایوب انصاری کے گھر قیام:

تمام قبائل انصار جو راستہ میں تھے انتہائی جوش ومسرت کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کرتے،یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے گھر کو شرف نزول بخشیں،مگر آپ ان سب محبین سے یہی فرماتے میری اونٹنی کی مہار چھوڑ دو،جس جگہ خدا کو منظور ہوگا اس جگہ میری اونٹنی بیٹھ جائے گی۔چنانچہ جس جگہ آج مسجد نبوی شریف ہے اس کے پاس حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا اسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کے مکان میں قیام فرمایا۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

اوپر کی منزل پیش کی مگر ملاقاتیوں کی آسانی کا لحاظ فرماتے ہوئے آپ نے نیچے کی منزل پسند کی ،حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ دونوں وقت آپ کے لیے کھانا بھیجتے اور آپ کا بچا ہوا کھانا تبرک سمجھ کر میاں بیوی کھاتے ۔کھانے میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نشان پڑے ہوتے حصول برکت کے لیے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی جگہ سے لقمہ اٹھاتے اور اپنے ہر قول وفعل سے بے پناہ ادب واحترام اور عقیدت وجانثاری کا مظاہرہ کرتے ۔

ایک مرتبہ مکان کے اوپر کی منزل میں پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا تو اس اندیشہ سے کہ کہیں پانی نیچے کی منزل میں نہ چلا جائے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ تکلیف نہ ہو جائے ،حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے سارا پانی اپنی لحاف میں خشک کرلیا، گھر میں یہی ایک لحاف تھا جو گیلا ہو گیا، رات بھر میاں بیوی نے سردی کھائی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ برابر تکلیف پہنچ جائے یہ گوارا نہیں کیا ۔سات مہینہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل کیا ۔مسجد نبوی اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان حجروں میں ازواج مطہرات کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے ۔(سیرت مصطفیٰ جان رحمت، ۱/۶۳۷)

مسجد نبوی اور اس کی تعمیر:

مدینہ میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں مسلمان باجماعت نماز پڑھ سکیں ۔اس لیے مسجد کی تعمیر نہایت ضروری تھی ۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ کے قریب ہی بنونجار کا ایک باغ تھا، آپ نے مسجد تعمیر کرنے کے لیے اس باغ کو قیمت دے کر خریدنا چاہا، ان لوگوں نے یہ کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم خدا ہی سے اس کی قیمت (اجر وثواب) لیں گے، مفت میں زمین مسجد کی تعمیر کے لیے پیش کر دی ۔لیکن یہ زمین اصل میں دو یتیموں کی تھی ۔آپ نے ان دونوں یتیموں کو بلایا ان دونوں یتیم بچوں نے بھی زمین مسجد کو نذر کرنی چاہی ،مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ اس لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال سے آپ نے اس کی قیمت ادا کر دی ،اس زمین میں چند درخت، کچھ کھنڈرات اور کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں ۔آپ نے درختوں کو کاٹنے اور مشرکین کی قبروں کو کھود کر پھینک دینے کا حکم دیا ۔پھر زمین کو ہموار کر کے خود آپ نے اپنے دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی اور کچی اینٹوں کی دیوار اور کھجور کے ستونوں

اور کھجور کی پتیوں سے مسجد تعمیر کی جو بارش میں ٹپکتی تھی ۔اس مسجد کے لیے صحابہ کرام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے اور صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لیے ان کے ساتھ آواز ملا کر رجز کا یہ شعر پڑھتے تھے ۔

اللھم لا خیر الاخیر الاخرۃ :فاغفر الانصار والمھاجرۃ

اے اللہ بھلائی تو صرف آخرت کی بھلائی ہے لہذا اے اللہ تو انصار ومہاجرین کو بخش دے ۔اس مسجد کا نام مسجد نبوی ہے، یہ مسجد ہر قسم کی دنیاوی تکلفات سے پاک اور اسلام کی سادگی کی سچی اور صحیح تصویر تھی ۔اس مسجد کی عمارت اور طول عرض ساٹھ گز لمبی اور چوّن گز چوڑی تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کو بنایا گیا تھا، مگر جب قبلہ بدل کر کعبہ ہو گیا تو مسجد کے شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کیا گیا اس کے بعد مختلف زمانوں میں مسجد نبوی کی تجدید وتوسیع ہوتی رہی ۔(سیرت الرسول المعروف، ضیاء النبی، ص:۱۴۸)

تحویل قبلہ:

جب تک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے تو کعبہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے رہے، مگر ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو خداوند تعالیٰ کا یہ حکم ہوا کہ آپ اپنی نمازوں میں بیت المقدس کو قبلہ بنائیں، چنانچہ آپ سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، مگر آپ کی دلی تمنا یہی تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ بنایا جائے ، چنانچہ آپ اکثر چہرہ آسمان کی طرف اٹھا اٹھا کر وحی الٰہی کا انتظار فرماتے رہے یہاں تک ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی آرزو کو پوری فرمانے کے لیے قرآن کی یہ آیت نازل فرمائی۔

’’قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ‘‘ (البقرۃ، آیت نمبر:۱۴۴)

ترجمہ۔ہم دیکھ رہے آپ کا بار بار آسمان کی طرف منھ کرنا تو ہم ضرور آپ کو پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں آپ کی خوشی ہے تو ابھی آپ پھیر لیجیے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی سلمہ کی مسجد میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے کہ حالت نماز میں وحی نازل ہوئی اور نماز ہی میں آپ نے بیت المقدس سے مڑ کر خانہ کعبہ کی طرف اپنا چہرہ

کرلیا اور تمام مقتدیوں نے بھی آپ کی پیروی کی۔ اس مسجد کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا مسجد قبلتین کہتے ہیں اور آج بھی یہ مسجد زیارت گاہ خاص و عام ہے جو شہر مدینہ سے تقریباً دو کلومیٹر دور جانب شمال واقع ہے۔ (سیرت مصطفیٰ جان رحمت، ۱/۸۱۹)

انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات:

مہاجرین چوں کہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں بالکل خالی ہاتھ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر مدینہ آئے تھے، اس لیے پردیس میں مفلسی کے ساتھ اور اپنے اہل و عیال کی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے تھے، اس میں شک نہیں کہ انصار نے مہاجرین کی مہمان نوازی اور دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، لیکن مہاجرین دیر تک دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، کیوں کہ وہ لوگ ہمیشہ اپنے دست، بازو کی کمائی کھانے کے خوگر و عادی تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ مہاجرین کی پریشانیوں کو دور کرنے کی اور ان کے مستقبل کے لیے ذریعہ معاش مہیا کرنے کے لیے کوئی انتظام کیا جائے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ اخوت و بھائی چارگی قائم کرکے ان کو بھائی بھائی بنا دیا جائے تا کہ مہاجرین کے دلوں سے اپنی تنہائی اور بے کسی کا احساس دور ہو جائے اور ایک دوسرے کے مددگار بن جانے سے مہاجرین کے ذریعۂ معاش کا مسئلہ بھی حل ہو جائے۔ چنانچہ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان میں انصار و مہاجرین کو جمع فرمایا۔ اس وقت مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یہ مہاجرین تمہارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرمایا کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہ رشتۂ اخوت بالکل حقیقی بھائی کی طرح رشتہ ہو گیا۔ چنانچہ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر اپنے گھر کی ایک ایک چیز لا کر سامنے رکھ دی اور کہہ دیا کہ آپ ہمارے بھائی ہیں اس لیے ان سب سامانوں میں آدھا آپ کا ہے اور آدھا ہمارا ہے۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مہاجر کے بھائی قرار پائے تھے ان کی دو بیویاں تھیں حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے پاس دو

بیویاں ہیں جسے آپ پسند کریں میں ان میں ایک کو طلاق دے دوں اور آپ اس سے نکاح کر لیں۔ (ضیاء النبی، ص:۴/۱۷۳تا۱۷۴)

مہاجرین کے درمیان عقد مواخات:

مشہور مؤرخ اسلام علامہ ابن البرکہ کا قول ہے کہ ایک عقد مواخات (بھائی چارہ کا معاہدہ) تو انصار و مہاجرین کے درمیان ہوا، اس کے علاوہ ایک خاص عقد مواخات مہاجرین کے درمیان قائم ہوا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر کو دوسرے مہاجر کا بھائی بنا دیا، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ ہو گیا اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان جب بھائی چارہ ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دربار رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا لیکن آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا آخر میرا بھائی کون ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ’’انت اخی فی الدنیا والآخرۃ‘‘ یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔ (سیرت مصطفیٰ جان رحمت، ۱/۸۱۷)

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی مدنی زندگی دین کی دعوت و تبلیغ کے حوالے سے بڑی اہمیت کی حامل ہے، ہجرت کے بعد اسلام کی دعوت و تبلیغ بڑی کامیابی کے ساتھ مدینہ میں جاری رہی اور آپ نے صحابہ کرام کی ایسی تربیت فرمائی جو دین کی راہ میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار تھے۔ مدینہ شریف تبلیغ اسلام کا مرکز قرار پایا اور اسلام کی روشنی پوری دنیا میں پھیل گئی۔

تبلیغ اسلام میں خواتین کا کردار

قاضی محمد حاکم علی ایرچوی

اسلام کی نشرواشاعت اوراس کے فروغ وارتقامیں جہاں امت مسلمہ کے طبقۂ رُجال نے جان ومال اورآل واولاد کی قربانیاں پیش کر کے کلمۂ حق کی نصرت وحمایت کی اورخون پسینہ بہا کراس کی آبیاری کی ہے وہیں خواتین اسلام نے بھی قابل رشک اور باعث افتخار کارنامے انجام دیے ہیں جن کو پڑھ کراورسن کرعقل مرحبا کی صدا بلند کر کے ان کی عظمت و بہادری اور قربانیوں کوسلامی پیش کرتی ہے۔آنے والی سطور میں ہم خواتین اسلام کی تبلیغی خدمات کواجاگر کرنے کی کوشش کررہے ہیں لیکن اس سے پہلے مناسب ہوگا کہ اختصار کے ساتھ تبلیغ کا مفہوم اوراس کی ضرورت واہمیت بیان کردیا جائے۔

تبلیغ کا مفہوم اوراس کی ضرورت واہمیت:

تبلیغ کا معنیٰ ہے اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو بندوں تک پہنچانا اوران کوسیدھا اورصحیح راستہ دکھانا۔اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کوجس طرح اپنے فرمودات عالیہ اور منہیات سے باخبر کر کے فرمودات پرعمل پیرا ہونے اورمنہیات سے بچنے کا حکم فرمایا اسی طرح ان کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ دوسروں کواچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کریں۔اللہ رب العزت قرآن مقدس میں ارشاد فرماتا ہے۔

''وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ '' (سورہ آل عمران، آیت نمبر۱۰۴)

ترجمہ۔اورتم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے بھلائی کی طرف بلائیں اوراچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اوریہی لوگ مراد کو پہنچے۔(کنزالایمان)

اس آیت مقدسہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفتی احمد یارخاں نعیمی علیہ الرحمۃ تفسیر نعیمی میں ارشادفرماتے ہیں کہ اے مسلمانوں!تم سب میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہیۓ یا خودایسی جماعت بن کررہو جو بروں کوخیر کی دعوت دے،کافروں کوایمان کی،فاسقوں کوتقویٰ کی،غافلوں

کو بیداری کی،جاہلوں کوعلم ومعرفت کی،خشک مزاجوں کولذت عشق کی،سونے والوں کو بیداری اوراچھی باتوں کی غرض کہ فرماتے ہیں ہرمسلمان اپنے اپنے منصب کے مطابق لوگوں کو برائیوں سے روکے۔مسلمان خواہ مرد ہو یاعورت ان پرفرض ہے کہ لوگوں کواچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک ہی آیت ہو۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہرمسلمان خواہ مرد ہو یاعورت جو جتنا جانتا ہے وہ دوسروں تک پہنچانے میں کوشاں رہے اورضرور پہنچائے۔مذکورہ بالا آیت کریمہ اور حدیث مبارک سے تبلیغ کی اہمیت وضرورت بخوبی ثابت ہوتی ہے۔

اسلامی معاشرے میں خواتین کا مقام ومرتبہ:

اسلام کی آمد عورت کے لیے غلامی،ذلت اورظلم و استحصال سے آزادی کا سبب بنی۔اسلام نے ان تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کردیا جوعورت کے انسانی وقار کے منافی تھیں اورعورت کووہ حقوق عطا کیے جس سے وہ معاشرے میں اسی عزت وتکریم کی مستحق قرار پائی جس کے مستحق مرد ہیں۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے درجہ میں عورت کومرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا ہے اسی طرح انسانیت کی تکوین میں بھی عورت کومرد کے ساتھ ایک ہی مرتبہ میں رکھا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً '' (سورۃ النساء،آیت نمبر۱)

ترجمہ۔اے لوگو!اپنے رب سے ڈروجس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا پھراس سے اس کا جوڑا پیدا فرمایا پھران دونوں میں سے بکثرت مردوں اورعورتوں کو پھیلا دیا۔

اسلام نے عورتوں کوعبادات کے اجروثواب میں مردوں کا مساوی قرار دیا۔

ارشاد ربانی ہے:۔

''فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ '' (سورہ آل عمران،پ:۱۰،آیت نمبر۱۹۵)

ترجمہ۔ان کے رب نے ان کی التجا قبول کر لی اورفرمایا کہ میں تم میں سے کسی عمل

کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہے کہ اسلامی معاشرے میں خواتین کی حیثیت کیا ہے۔

دینی و سماجی اصلاح میں خواتین کی اہمیت:

دینی و سماجی اصلاح کا فریضہ مرد اور خواتین دونوں پر عائد ہوتا ہے لیکن بعض ایسی جگہیں ہیں جہاں پر مرد براہ راست اصلاح نہیں کر سکتے، جیسے کہ خواتین کی اصلاح مرد براہ راست نہیں کر سکتے، خواتین کی اصلاح اور ان تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام خواتین ہی بہتر انداز میں پہنچا سکتی ہیں، مردوں کی طرح عورتوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی ماں اور بہنوں کی اصلاح کریں اور ان کو بھلائی کا حکم دیں اور قوانین اسلام کی تعلیم دیں اور برائی سے روکیں۔ اور بعض ایسی چیزیں ہیں جن کو اگر مرد انجام دینا چاہیں تو خاطر خواہ انجام نہ دے سکیں گے جیسے بچوں کی پرورش کرنا ان کی اصلاح کرنا اور ان کو اسلام سکھانا اس کے لیے عورت ہی کا کردار زیادہ بہتر اور موزوں ثابت ہوتا ہے۔

خواتین داعیات کو کن اوصاف سے متصف ہونا چاہیے:

دعوت و تبلیغ کی جن شرطوں اور صفتوں کا مرد داعی کے اندر پایا جانا لازم ہے وہ خواتین داعیات کے اندر بھی ہونا ضروری ہے چنانچہ اولاً تو یہ لازم ہے کہ وہ تبلیغ فقط خوشنودی مولیٰ و رضائے الٰہی کے لیے ہو اگر وہ اس صفت سے متصف نہ ہوں گی تو ان کی یہ محنت و مشقت بے سود ہوگی۔ داعیات کو زیور علم سے آراستہ ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ بغیر علم کے دعوت و اصلاح کا کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ وہ پابند شرع ہوں، فرائض و واجبات پر سختی سے عمل کرتی ہوں، تا کہ جب وہ دوسری عورتوں کو دعوت دیں اور تبلیغ کریں تو وہ ان سے متاثر ہوں اس لیے کہ بے عمل عالم اور مبلغ کی بات موثر نہیں ہو سکتی۔ ایک مبلغہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ حلم و بردباری، صبر و تحمل، عفو و درگزر اور حسن اخلاق جیسی صفات سے متصف ہو۔ کیوں کہ تبلیغ دین میں طرح طرح کے مصائب و آلام کا سامنا ہوتا ہے، ظلم و ستم کی راہوں سے گزرنا ہوتا ہے اور تلخ مزاج اور ترش رو افراد سے بھی پالا پڑتا ہے جن کا مقابلہ وہی داعی اور مبلغ کر سکتا ہے جس کے اندر مذکورہ

صفات پائی جاتی ہیں اور وہی کما حقہ اپنے مشن اور اپنے مقصد میں کامیاب اور بامراد ہو سکتا ہے۔

خواتین کی تبلیغ کا دائرہ اثر:

بظاہر تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ خواتین کی تبلیغ کا دائرہ بہت محدود ہے لیکن اگر تعمق نظری سے کام لیا جائے تو خواتین کی تبلیغ کا دائرہ مردوں سے کچھ کم نہیں ہے۔ مثلا وہ اپنے بچوں کی پرورش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بتاتی ہیں اور انہیں اسلامی قوانین سکھاتی ہیں، اہل خانہ کی اصلاح کرتی ہیں اور محلے کی عورتوں کے درمیان اسلام کی تبلیغ کرتی ہیں انہیں امر بالمعروف نہی عن المنکر سے باخبر کرتی ہیں اور ان جگہوں پر تبلیغ کرتی ہیں جہاں تک مردوں کی رسائی نہیں جیسے کہ لڑکیوں کے مدارس کہ ان میں خواتین درس و تدریس کے ذریعہ دین کی خدمت کرتی ہیں اور تقریر و تحریر کے ذریعہ بھی اشاعت اسلام کرتی ہیں۔ نسواں کالج میں اسلامی لیکچر دے کر ان کو دین کی دعوت دیتی ہیں اور ان تک اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو پہنچاتی ہیں اور ان کی اصلاح کرتی ہیں۔

خیر القرون میں خواتین داعیات کے چند نمونے:

مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے عروج و ارتقا میں مردوں کی طرح عورتوں نے بھی حصہ لیا ہے اور لائق ستائش کارنامے انجام دیے ہیں۔ مثلا ابتدائے اسلام میں خواتین نے مالی تعاون دے کر دین اسلام کی خدمت کی۔ جیسے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے مالی تعاون کے ذریعہ اسلام کی خدمت کی۔ یوں ہی خواتین اسلام نے اپنے علم کے ذریعہ بھی تبلیغ اسلام میں بھرپور حصہ لیا، مثال کے طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی دین اسلام کی بڑی تبلیغ کیں، آپ زبردست فقیہ اور عالمہ تھیں، جلیل القدر اکابر صحابہ آپ کے پاس قاصد بھیج کر مسائل معلوم کیا کرتے تھے، آپ ہر سال حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے جاتی تھیں اور اطراف و اکناف کے شہروں سے برابر مسلمانوں کی جماعتیں آتیں اور آپ کے خیمے کے باہر کھڑے ہو کر مسائل معلوم کرتیں اور آپ جواب دیتی تھیں۔ مکہ معظّمہ میں آپ آب زمزم کے پاس پردہ لگا کر بیٹھ جاتیں وہاں سوالات کرنے والوں کا ایک تانتا لگ جاتا اور آپ سب کے سوالوں کا جواب دیتیں اور سب کی اصلاح کرتیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ۴۸ سال

باحیات رہیں اور مسلسل دین اسلام کی تبلیغ واشاعت کرتی رہیں۔

خواتین اسلام نے جہاد میں بھی حصہ لے کر اسلام کو پھیلانے میں اپنا تعاون پیش کیا جیسا کہ جنگ خیبر میں عورتیں بھی مدینہ شریف سے چھپ کر نکلی تھیں جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا آپ نے نفرت وغضب کے لہجہ میں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا تم کو کس نے فوج کے ساتھ آنے کی اجازت دی؟ ان عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے پاس دوائیں ہیں ہم زخموں کی مرہم پٹی کریں گے، ان کے بدن سے تیر نکالیں گے اور کھانے کا انتظام وانصرام کریں گے تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اور جب جنگ خیبر فتح ہوئی تو مردوں کے ساتھ ان کو بھی مال غنیمت میں حصہ ملا۔ حضرت ام سلیم، ام سلیط، ام عطیہ، اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھن مختلف غزوات میں شریک ہوئیں اور ان کے ساتھ انصار خواتین بھی شریک ہوئیں۔

حاصل یہ کہ تبلیغ دین کا جس طرح مردوں کے ذریعہ ہوسکتا اسی طرح عورتیں بھی اس عملِ خیر کا حصہ بن سکتی ہیں، بلکہ بعض حالات عورتوں کی دعوت وتبلیغ سے دین کا بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ گھر، سماج اور معاشرہ میں عورتیں اپنی کوششوں سے انقلاب پیدا کرسکتی ہیں۔

☆☆☆

تبلیغ دین میں حسن اخلاق کی اہمیت

محمد صلاح الدین رضوی دیناجپوری

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مقدس میں مسلمانوں کو خیر امت سے یاد فرمایا ہے، اس مبارک لقب سے ممتاز کرنے کا سبب دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے مقدس فریضے کو قرار دیا۔ نیز اللہ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو "**بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ آیَۃً**" (مشکوۃ شریف ص:۳۲) کہہ کر دعوت وتبلیغ کی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔ حسن اخلاق وہ درجۂ کمال ہے جو اعلیٰ ایمان کا ایک اہم حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صفت بدرجۂ اتم عطا فرمایا ہے جیسا کہ قرآن ناطق ہے: "**اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیْمٍ**" نیز اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**" پھر جب بات دعوت وتبلیغ کی ہو تو حسن اخلاق ایک داعی اور مبلغ کے لیے انتہائی ناگزیر شئی بن جاتی ہے۔ دعوت وتبلیغ کا مقدس فریضہ بغیر حسن اخلاق متصور ہی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ دعوت وتبلیغ کا کوئی بھی واقعہ ماضی میں ایسا نہیں ملے گا جو حسن اخلاق سے خالی ہو۔ اور کیوں نہ ہو کہ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور ہارون کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا "**اِذْھَبَا اِلیٰ فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغیٰ فَقُوْلاً لَہٗ قَوْلاً لَّیِّناً** الخ" یعنی تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے نرم گفتگو کرو۔

مذکورہ آیت میں غور کریں تو پتہ چلے گا کہ حسن اخلاق کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں کتنی اشد ضرورت ہے، جو فرعون خدائی کا دعویدار تھا اس کو سیدھے راہ کی طرف دعوت دینے کے لیے وقت کے دو عظیم پیغمبر کو خدا نے ارشاد فرمایا کہ "**اِذْھَبَا اِلیٰ فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغیٰ فَقُوْلاً لَہٗ قَوْلاً لَّیِّناً** الخ"

تبلیغ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

تبلیغ کا معنیٰ پہونچانا ہے اصطلاح میں تبلیغ سے مراد دعوت حق لوگوں تک پہنچانا ہے۔

قرآن پاک میں ہے "**یَا أَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ**" (سورہ مائدہ آیت نمبر ۶۷)

ترجمہ۔اے رسول پہونچادو جو کچھ اترا تمہیں تمہارے رب کی جانب سے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا۔"بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَ لَوْ آیَۃً"،یعنی میری طرف سے پہونچادوا گرچہ ایک ہی آیت ہو۔

حسن اخلاق قرآن کی روشنی میں:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" (سورہ النحل آیت نمبر۱۲۵)

ترجمہ۔اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے"وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" (سورہ یونس آیت نمبر۲۵)

ترجمہ۔اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔

حسن اخلاق احادیث کی روشنی میں:

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صِلْ مَنْ قَطَعَکَ فَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ" (الترغیب والترھیب،ج:۳،ص:۳۴۲،باب الترغیب فی صلۃ)

ترجمہ۔جو شخص تم سے قطع تعلق رکھے تو اس سے تعلق قائم کر۔جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو اور جو تمہارے ساتھ برا کرے تم اس کے ساتھ بھلائی کرو۔

دوسری حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

"وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُّوْمِنٍ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ یَّسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَ اللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ" (مشکوۃ شریف ص:۳۲)

ترجمہ۔روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے جو کسی مسلمان کو دنیاوی تکلیف سے رہائی دے تو اللہ اس سے روز قیامت کی مصیبت کو دور کرے گا اور جو کسی تنگی والے پر آسانی کرے اللہ دین ودنیا میں اس پر آسانی فرمائے گا جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ دین ودنیا میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور اللہ بندہ کی مدد پر رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد پر رہے۔

تبلیغ دین اور سرکار کا صبر وتحمل:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف میں تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے ،جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا اور کہا کہ میں اللہ کا نبی ہوں میرا دین حق ہے جب طائف والوں نے یہ سنا تو آپ پر پتھر برسانا شروع کردیا اتنا پتھر برسایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے خون بہنے لگا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک خون سے تر ہو گئے ۔اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے جبرئیل جاؤ اور میرے نبی سے فرمادو کہ یا رسول اللہ آپ نہ گھبرائیں ،یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور اللہ کا پیغام آپ تک پہنچایا۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرئیل ایک دن ایسا آئے گا یہ قوم میرا کلمہ خود پڑھے گی۔اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے لیے بڑی مشقتیں جھیلیں اپنی ہی امت کے ہاتھوں لہولہان ہوئے، مگر کمالِ ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے فریضے کی ادائیگی میں منہمک رہے۔کبھی ان کے لیے بددعا نہیں فرمائی،ایک داعی اور مبلغ کے لیے سرکار کا یہ اعلیٰ صبر وضبط نمونہ عمل ہے۔(تاریخ اسلام،ص:۴۳)

تبلیغ دین میں صوفیہ کرام کا حسن اخلاق:

اسلام کی کشش نے دلوں کی دنیا بدل دی،اسلام کی اخلاقی قوت نے بہت جلد دنیا کے بیشتر خطوں کو متاثر کیا اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جو اسلامی معاشرہ کہلاتا ہے،جس میں امتیازات کا گزر نہ تھا اس معاشرے کے پس پشت اسلام کا نظام اخلاق اور نظام اخوت ومحبت جلوہ گر تھا،جس کے اثرات براہ راست فکر ونظر اور روح پر پڑتے ہیں،داعیان اسلام کا مقدس گروہ اخلاق کے زیور سے مرصع تھا،اس لیے ان کی دعوت میں تاثیر تھی،سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے"بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ"،میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں

(احیاء العلوم سنن الکبری للبیہقی کتاب الشادات، ج۱۵، ص:۹۲)

صوفیہ کرام اور اولیاے عظام کی جماعت نے حسنِ اخلاق کو اپنا کر دین کی تبلیغ کی اور شوریدہ زمین کو اپنی دعوت سے گل زار بنا دیا، ان علاقوں میں جہاں شرک والحاد کے تعفن نے ماحول کو پراگندہ کر رکھا تھا وہاں دعوت حق کا کام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد اولیا وصوفیہ نے انجام دیا اس خصوص میں ہندوستان کی سرزمین کو بھی دیکھا جانا چاہیے کہ ہندوستان کے اولیا اور صوفیہ نے حسن اخلاق کے ذریعہ ہندوستان کے اندر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا جو ہندوستان کفروشرک کا مرکز بن چکا تھا اسے اس گندگی سے ان حضرات نے پاک ومنزہ کیا۔

تبلیغ دین میں حسن اخلاق کے ثمرات ونتائج:

دین کی تبلیغ اور اشاعت میں حسنِ اخلاق کا بڑا دخل ہے، شریعت کا مطلوب یہ ہے کہ دین کے راستے میں کہیں بھی کوئی ایسا مقام نہ آنے پائے جہاں داعیان وقار کے منافی کوئی اقدام کریں۔ گزشتہ سطور میں مذکور آیات واحادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایک داعی دین کو تربیت یافتہ ہونا چاہیے، ایک غیر تربیت یافتہ مبلغ، دین کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا سکتا ہے۔ معاندانہ انداز تبلیغ درشت طرز خطاب اور کمزور طرز استدلال مخاطب کو متنفر کر سکتا ہے۔ مبلغ کے لفظ لفظ سے اخلاق ومحبت کا اظہار ہو، ہر جملہ شفقت وملاطفت کا آئینہ دار ہو۔ اسلام کے داعی کا انداز دعوت فلسفیوں کی موشگافیوں سے خالی ہونا چاہیے، مبلغ اور داعی کو مکارم اخلاق سے آراستہ ہونا چاہیے۔ وہ ہمیشہ خیر خواہی کے جذبے سے دعوت دے اور انسان کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لایا جائے یا بداعمالیوں کے جہنم سے نکال کر اعمال حسنہ کی جنت میں داخل کیا جائے۔ اس لیے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو نصیحت سے تعبیر فرمایا ”اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ“ دین تو صرف خیر خواہی ہی ہے۔ ایک داعی کو نرم خو، نرم رفتار وگفتار اور محاسن اخلاق کا حامل ہونا چاہیے۔ قرآن عظیم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بیان فرمایا ہے ”فَبِمَا رَحْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنْتَ لَھُمْ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِکَ“ (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۵۸)

ترجمہ۔ آپ اللہ کی رحمت سے نرم ہو گئے ان کے لیے اگر آپ تندمزاج اور سخت دل ہو

تے تو یہ لوگ آپ سے دور ہو جاتے۔

تبلیغ دین اور ہماری ذمہ داریاں:

جیسا کہ ماقبل میں بیان کیا گیا کہ امت محمدیہ کو خیر امت کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل خیر سے وابستہ ہے۔ دین اسلام کے ہر فرد پر اپنی بساط کے مطابق برائیوں سے روکنا اور اچھائیوں کی تعلیم دینا لازم وضروری ہے۔ انسان اپنے رب کے حضور اپنے اعمال کا بھی جواب دہ ہوگا اور اپنے پڑوس میں ہونے والی نافرمانیوں کے بارے میں بھی اس سے پوچھا جائے گا۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کی ذمے داری ہوتی ہے کہ دین کے احکامات پر خود بھی عمل کریں اور اپنے اہل خانہ وخویش واقارب کو بھی شریعت رسول پر گامزن رکھنے کے لیے جدوجہد کریں۔ آج مسلم طبقہ بڑی بے راہ روی کا شکار ہے، دینی مصالح پر دنیاوی مفادات غالب ہیں، حق بات کہنے والے حق کہنے سے صرف اس لیے ڈرتے ہیں کہ اس سے دنیاوی نقصان کا اندیشہ ہے۔ اپنے گردوپیش میں روزانہ نہ جانے کتنے گناہ ہوتے دیکھتے ہیں لیکن منع کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ پڑوسی تو دور اپنی ہی اصلاح ہو جائے تو انقلاب رونما ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ”قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَاراً“ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔ ”کلکم راع و کلکم مسئول عنہ“ ان نصوص کی روشنی میں ہر مسلمان پر فریضۂ تبلیغ دین سے سبک دوشی ضروری ہے۔

☆☆☆

دعوت وتبلیغ کی ضرورت واہمیت

محمد سعید حسن جالونی

اسلام کی دعوت وتبلیغ اوراس کی ترویج واشاعت امت مسلمہ کی ایک اہم ترین ذمہ داری ہے ،قرن اول سے عصر حاضر تک صحابہ، تابعین ، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، علماو فضلا اورصوفیہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ان کی خدمات جلیلہ کی وجہ سے آج اسلام روئے زمین پر آفتاب نصف النہار کی طرح چمک رہا ہے، اگر ان حضرات نے اپنے کردار وعمل عمدہ اخلاق، زبان وقلم اور بیعت وارشاد کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا کام انجام نہ دیا ہوتا تو آج کرۂ ارض پر اسلام کی کرنیں اس انداز میں چمک نہ رہی ہوتیں۔دین کی دعوت وتبلیغ کا عمل نہایت مبارک ہے۔دعوت وتبلیغ کے ذریعہ گم گشتگان راہ کو ہدایت ملتی ہے۔کفروالحاد کے دلدل میں پھنسے ہوئے اللہ کے بندے اپنے معبود حقیقی سے آشنا ہوتے ہیں، ظلم وجفا کا خاتمہ ہوتا ہے ،عدل وانصاف کی فضا قائم ہوتی ہے۔اس لیے ہر دور میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ذیل کی سطور میں ہم دعوت وتبلیغ کی ضرورت واہمیت کو سپرد قرطاس کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

دعوت وتبلیغ کی فضیلت واہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ نے دعوت وتبلیغ کے متعلق قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا۔’’**ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر اولئک ھم المفلحون** ‘‘ترجمہ۔اورتم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائے اوراچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اوریہی لوگ مراد کو پہنچے۔(القرآن سورہ آل عمران، آیت نمبر۱۰۴)

اس آیت مقدسہ کی روشنی میں یہ معلوم ہورہا ہے کہ اگرہمیں فلاح وکامیابی سے ہمکنار ہونا ہے، عالمی سطح پر اپنے شخصی وقار کو بحال رکھنا ہے تو ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم تبلیغ احکام اور اشاعت اسلام میں ہمیشہ سرگرم عمل رہیں، سستی نہ کریں۔ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے متعلق ارشاد فرمایا’’**بلغوا عنی ولو آیۃ**‘‘ترجمہ۔میری طرف سے پہنچادو اگر چہ ایک

ہی آیت ہو۔(ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل، ج:۳،ص:۹۱)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا’’**من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذالک اضعف الایمان**‘‘

ترجمہ۔تم میں جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اوراس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اس کو اپنے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔(مسلم کتاب الایمان، ج: ۱، ص: ۵۱)

ایک اورمقام پر ارشاد فرمایا۔’’**من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فی امر دینھا بعثہ اللہ فقیھا و کنت لہ یوم القیامۃ شافعا و شھیدا** ‘‘(مشکوۃ کتاب العلم باب الکبائر وعلامات النفاق، ص: ۳۶)

ترجمہ۔جو میری امت پر چالیس ایسی حدیثیں حفظ کرے جوان کے احکام دین سے تعلق رکھتی ہیں۔تو اللہ تعالیٰ اس کو فقیہ اٹھائے گا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کرنے والا اور گواہ رہوں گا۔

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ اگر ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اپنے اخلاق وکرداراور زبان وقلم کے ذریعہ اس فریضہ کو انجام دیتے رہیں گے تو یہ ہمارے لیے باعث فلاح ونجات ہوگا۔

عصر حاضر میں دعوت وتبلیغ کی ضرورت:

مذہب اسلام عصر حاضر میں دنیا کی گمراہ و باطل اور طاقتور حکومتوں اور عالمی تنظیموں کی زد میں ہے، مخالفین اسلام اسلام کے مضبوط ومستحکم قلعہ کا محاصرہ کرکے ہر چہار جانب سے اس پر حملہ آور ہورہے ہیں۔دینی، علمی، فکری اوراخلاقی اعتبار سے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ہی ان کا اولین مقصد ہے۔وہ اسلام کو نیست ونابود کرنے کی ناپاک سازشیں کررہے ہیں، لہذا ایسے پرخطر حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ نہ صرف اسلام مخالف قوموں کو دنداں شکن جواب دیا جائے بلکہ ان تمام خطرات کا دفاع کیا جائے اوراسلامی تعلیمات وہدایات سے دنیا کو روشناس کرایا جائے۔اسلام کے اصول وضوابط اورقوانین کو علمی وفکری انداز میں پیش کیا جائے اوراخلاق

وکردار کی اعلیٰ مثالوں کے ذریعہ عالم اسلام کو آراستہ کیا جائے ، اپنی تقریری تحریری اور تدریسی خدمات کو اسلام کی تبلیغ کے لیے وقف کیا جائے ، اور اولاد آدم کو اپنی تمام تر کوششوں کے ذریعہ اسلام سے وابستہ کیا جائے ، دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو انجام دینے کی ہر ممکن کوشش کی جائے ، کیوں کہ یہی واحد ذریعہ ہے جس کو بروئے کار لاکر دنیا کی تمام ظالم وجابر حکومتوں پر اسلام کی حقانیت اور صداقت کو اجاگر کیا جاسکتا ہے ۔لیکن انفرادی طور پر نہیں بلکہ اسلام کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں قوم کے تمام علما، فضلا، مشائخ، سیاسی اور سماجی قائدین کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفاد واغراض سے برطرف ہوکر ایک پختہ اور جامع طرز عمل اختیار کریں کہ جس کی روشنی میں پورے عزم کے ساتھ وہ موجودہ دور کے تمام مصائب وآلام کا مقابلہ کرکے ان کا دفاع کر سکیں، مشائخ عظام جن کے ہاتھوں میں قوم وملت کی باگ ڈور ہے، جنہوں نے قرون خیر کے بعد معاشرہ کی اصلاح اور تعمیر وترقی کے سلسلے میں ہر محاذ پر کام کیا ہے جب جیسی ضرورت پیش آئی موثر اقدامات کے ذریعہ قوم وملت کی حفاظت وصیانت میں عمدہ کردار ادا کیا ہے، لہذا عصر حاضر میں یہ حضرات خواہ وہ کسی بھی خانقاہ سے تعلق رکھتے ہوں وہ اپنے تمام آپسی اختلاف وانتشار کو ختم کرکے اتحاد واتفاق کی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی قوم کو جو آج ٹولیوں ، جماعتوں اور تنظیموں میں بٹی جارہی ہے اور بکھر کر تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی ہے اسے مثالی اتحاد واتفاق کا درس دے کر تباہی و بربادی سے بچائیں۔ اور اپنے ماضی کے طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے قوم کی سیادت وقیادت پر کمر بستہ ہوجائیں، کیوں کہ عصر حاضر کے روح فرسا حالات میں قوم ان کی بات کو ضرور تسلیم کرے گی اور تباہ وبرباد ہونے سے بچ جائے گی ۔علمائے کرام کے لیے ضروری ہے کہ حالات زمانہ سے پوری واقفیت کے ساتھ قوم کی ذہنی وفکری کیفیات اور ان کے احساسات وجذبات کا صحیح اندازہ کرکے ان سے مؤثر اور دل میں اتر جانے والی بات کریں، خواہ وہ تحریر کے ذریعہ ہو یا پھر تقریر وتدریس کے ذریعہ ہو، چونکہ یہ قوم کے لیے قائد کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ ہمدردی کے ساتھ پیش آئیں اور ان کے معاشرتی مسائل کو سلجھانے کی کوشش کریں۔قوم کے اصحاب دولت وثروت کو انفاق فی سبیل اللہ اور ادائے زکوٰۃ پر ابھاریں اور انہیں یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی امداد کی طرف رغبت دلائیں۔قوم کے ہر فرد کی امت مسلمہ ہونے

کی حیثیت سے یہ ذمہ داری ہے کہ وہ گھر میں ہو یا پھر بازار میں سفر میں ہو یا حضر میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ نیکی کا حکم دے کر اور برائی سے روک کر انجام دینے کی حتی الامکان کوشش کرے۔

دعوت وتبلیغ کے مؤثر ذرائع:

دین اسلام کی دعوت وتبلیغ اور نشر واشاعت کے بہت سارے وسائل و ذرائع ہیں گذشتہ ادوار واوقات میں تحریر، تقریر اور تدریس نیز بیعت وارشاد اور اخلاق وکردار کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو انجام دیا جاتا تھا اور بلاشبہہ اس وقت یہ تمام ذرائع خلق خدا کے لیے افکار ونظریات اور زندگی کے حالات کو بدلنے میں مؤثر بھی تھے۔لیکن عصر حاضر میں جدید آلات و اختراعات مثلاً ٹیلی ویژن ، ٹیلی فون، موبائل ویڈیو کانفرنسنگ ، انٹرنیٹ ، ریڈیو وغیرہ نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب برپا کردیا ہے۔موجودہ دور میں ان کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوگئی ہے، اگرچہ گزشتہ وسائل وذرائع کی اہمیت بھی اپنی جگہ آج بھی مسلم ہے لیکن مذاہب باطلہ آج کے ان آلات جدیدہ کے ذریعہ اپنے عقائد باطلہ کی تشہیر کرکے لوگوں کے اذہان میں اسلام کے خلاف زہر افشانی کرنے اور اسلام اور اہل اسلام کو عالمی اور بین الاقوامی سطح پر بدنام نیز قوم مسلم کو گمراہ کرنے کی ناپاک حرکتیں اور کوششیں کر رہے ہیں ،تو ان پر آشوب حالات میں ضروری ہے کہ داعیان اسلام اپنی لسانی وقلمی قوتوں کے ساتھ ساتھ ان آلات جدیدہ کو بھی اپنائیں لہذا ان کے ذریعہ باطل قوتوں کا دنداں شکن جواب دے سکیں اور عقائد باطلہ کی تردید کرکے مذاہب باطلہ کو خاموش اور دنیا والوں کے سامنے حق کو واضح کرسکیں۔

دعوت وتبلیغ کا حکیمانہ طریقہ:

ہر مبلغ وداعی کے لیے ضروری ہے کہ دعوت وتبلیغ کے لیے وہ طریقہ اختیار کرے، جو نہایت ہی حکیمانہ ہو اور جو طریقہ حکم قرآن اور نبوی اسالیب پر مشتمل ہو، اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کو بیان فرماتے ہوئے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا کہ ’’**ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن**‘‘ ترجمہ۔اپنے رب کی راہ کی جانب بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔ (القرآن سورة النحل آیت نمبر ۱۲۵)

دعوت وتبلیغ کے نبوی اسالیب:

ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی خوش اسلوبی اور حکیمانہ طریقہ سے دعوت وتبلیغ فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ صدیوں سے ضلالت وگمراہی کے دلدل میں پھنسی ہوئی مخلوق خدا کو آپ نے مختصر سے عرصے میں راہ ہدایت پر لا کر کھڑا کر دیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت اور دعوت وتبلیغ اسلام کا آغاز کرنے سے قبل اہل عرب کے درمیان چالیس سال گزارے اور اس عرصے میں آپ نے اپنے اخلاق وکردار اور عادات واطوار حمیدہ وعظیمہ کو ان کے سامنے پیش فرمایا آپ کی صداقت ودیانت امانت وراست بازی کا پورے ملک میں شہرہ تھا بلکہ اہل عرب آپ کو متفقہ طور پر صادق وامین کہنے پر مجبور تھے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ''وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ'' کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈراؤ تو آپ نے اپنے خاندان والوں یعنی بنو ہاشم کو نہایت ہی حکیمانہ طریقے سے اسلام کی دعوت دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہاشم کی ضیافت فرمائی جس میں تقریباً چالیس افراد شریک طعام ہوئے۔ ضیافت کے بعد آپ نے کچھ فرمانا چاہا لیکن ابو لہب کی بیہودہ باتوں نے محفل کو بدمزہ کر دیا۔ سرکار نے اس موقع پر دعوت اسلام کے سلسلہ میں کوئی بات کہنا خلاف مصلحت جانا اور کچھ نہ فرمایا، پھر دوسری شب آپ نے ان کی ضیافت فرمائی اور دعوت اسلام پیش فرمائی۔ اور یہ کام آپ بہت ہی پوشیدہ طور پر انجام دیتے رہے حتیٰ کہ تین سال کا عرصہ اسی طرح گزرا اور اس عرصے میں تقریبا چالیس حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

جب آپ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ملا تو آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبائل عرب سے یہ کہہ کر ان پر اسلام پیش فرمایا اے لوگو! اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ تو انہوں نے جواب دیا ہاں تو اس پر آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ڈرسنانے والا ہوں اور تمہارے لیے سخت عذاب ہے اگر تم اسی حالت پر قائم رہے یہ سن کر تمام قبائل عرب غصہ کی آگ میں جل اٹھے اور وہاں سے چلے گئے، مگر سرکار نے اپنی دعوت وتبلیغ کو جاری رکھا اور ناامید نہ ہوئے لیکن پورا عرب تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کا جانی دشمن ہو گیا اور آپ پر نیز آپ کے متبعین پر ظلم وستم اور مصائب وآلام کے پہاڑ توڑنے شروع کر دے۔

جب آپ نے طائف والوں کو اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے بھی آپ پر پتھروں کی بارش کر کے آپ کو لہولہان اور زخمی کر دیا لیکن سرکار نے ہمت ہار کر دعوت حق کو ترک نہ فرمایا بلکہ آپ نے صبر وتحمل، عفو ودرگزر اور رحم وکرم اور نرمی سے کام لیا اور اپنی کوششوں کو جاری رکھا، رفتہ رفتہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور جب کفار ومشرکین عرب نے ظلم وستم کی انتہا کر دی تو آپ نے خدا کے حکم سے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا اور آپ نے خود بھی مدینہ منورہ کی جانب دعوت وتبلیغ اسلام کی خاطر ہجرت فرمائی اور وہاں رہ کر آپ نے قرب وجوار کے بادشاہوں پر اسلام پیش فرمایا۔ پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ مکہ فتح ہوا اور اس کے بعد پورا عرب مشرف باسلام ہوا، یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کے وہ اسالیب اور طریقے تھے جن پر عصر حاضر کے مبلغین اسلام اگر عمل پیرا ہو جائیں تو انشاءاللہ تعالیٰ کبھی ناکام نہیں ہو سکتے۔

مقام غور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب میں نہ کوئی دوست تھا نہ حمایتی نہ آپ کے پاس دنیاوی مال ودولت کا انبار تھا نہ کوئی لشکر آپ نے تن تنہا تبلیغ اسلام کا آغاز کیا مختصر سی مدت میں پورے عرب بلکہ پوری دنیا میں اسلام کو پھیلا دیا نیز یہ کہ آپ نے براہ راست پورے عرب کو اسلام کی دعوت نہیں دی بلکہ تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کیا تاکہ آگے چل کر کوئی یہ نہ کہے کہ اگر آپ حق پر ہیں تو آپ کے گھر والے آپ پر ایمان کیوں نہیں لائے، نیز اگر آپ ایسا کرتے تو اہل عرب اچانک اپنے جھوٹے معبودوں کی توہین وتذلیل کی وجہ سے کبھی اسلام کی طرف راغب نہ ہوتے، سرکار کی دعوت وتبلیغ میں سب سے نرالی اور عجیب بات یہ ہے کہ آپ کسی بھی کام کو اپنے صحابہ سے مشورہ لیے بغیر نہیں کرتے تھے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منبع علم وعرفان بنا کر مبعوث فرمایا تھا آپ چاہتے تو بغیر کسی مشورے کے ہر اہم سے اہم کام کو انجام دیتے لیکن محض اپنے صحابہ کی دل جوئی حوصلہ افزائی اور تعلیم امت کی خاطر مشورہ لیا کرتے تھے اور ایسا آپ اپنے رب ہی کے حکم سے کیا کرتے تھے۔ بہر حال عصر حاضر کے ہر مبلغ اور داعی حق کے وہی اوصاف وکردار ہونے چاہیے جو ہادی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ (مدارج النبوۃ اردو، ج:۲،ص:۶۰،۵۹، ملخصا)

داعی کے اوصاف وفرائض:

بیشتر مبلغین وداعیان اسلام کے اوصاف وکردار صحیح نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے

مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہو پاتی ہے، اس لیے ایک داعی کے لیے سب سے پہلی اور اہم چیز یہ ہے کہ وہ اپنے اوصاف و کردار کو صحیح کرے اور علم و عمل کا پیکر بن کر قوم کو نیکی اور خیر کی جانب بلائے، اپنے فرائض کے انجام دہی کے وقت ہمیشہ یہ یاد رکھے کہ وہ قوم کے ساتھ ساتھ خود اپنی بھی اصلاح کر رہا ہے کیوں کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ داعی کے صاحب علم و عمل ہونے کے باوجود محض اپنے آپ پر فخر کی وجہ سے تبلیغ بے اثر ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے دور بھاگتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ غرور و گھمنڈ کو اپنے قریب بھی نہ آنے دے اور عاجزی وانکساری صبر و تحمل اور عفو و درگزر کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دے۔ قوم کی خامیوں کو نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے ہوئے دور کرے، تلخ مزاجی اور ترش روئی کو اپنی عادت سے بالکل دور رکھے اور مناسب مقامات پر سختی سے بھی پیش آئے، کسی بھی دینی کام کو شروع کر کے اسے درمیان میں نہ چھوڑ دے دشوار گزار مراحل میں داخل ہونے کے بعد انتشار ذہنی اور پست ہمتی کا شکار ہو کر بیٹھ نہ جائے بلکہ وقت کی آندھیوں طوفانوں اور مصائب و آلام سے ٹکراتے ہوئے اور ان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنا اٹھایا ہوا قدم آگے بڑھا کر اسے منزل مقصود تک پہنچائے اور یہی ایک داعی کی کامیابی کی علامت ہے۔ کسی بھی کام مشن یا تحریک کو اپنے بزرگ علما کرام سے مشورہ لیے بغیر نہ شروع کریں اور نہ ہی کسی معاملہ کی تحقیق کیے بغیر کوئی حتمی فیصلہ کریں بلکہ ہر چھوٹے بڑے کام میں مشورہ لیں اور تحقیق و تأمل کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں، نیز آج کا دور میڈیا کا ہے اس لیے انسانی زندگی میں محیر العقول اثرات کو دیکھ کر اس کمتری و کمزوری کا شکار نہ ہوں کہ دور حاضر میں ہمارے ذریعہ دعوت و تبلیغ کے امکانات نہیں ہیں، اپنی سوچ و فکر کو عروج بخشتے ہوئے عزم و حوصلہ کو خود بلند کرتے ہوئے اپنے بزرگوں کی رہبری و سرپرستی میں اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھتے ہوئے آگے بڑھتے جائیں۔

دعوت و تبلیغ کی جس طرح ماضی میں اس کی ضرورت و اہمیت تھی آج بھی ہے خواہ وہ زبان و قلم اخلاق و کردار اور بیعت و ارشاد کے ذریعہ ہو یا مروجہ اجلاس اور کانفرنسوں کی شکل میں یا پھر آلات اور اختراعات جدیدہ کے ذریعہ، دعوت و تبلیغ اور مذہب و ملت کی ترقی و اصلاح میں قوم کا ہر فرد مصروف و مستعد رہے۔

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف — ایک تعارف

پھپھوند شریف مغربی اتر پردیش کے ضلع اوریا کا ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے، جس کا قدیم نام جعفر آباد ہے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال قبل اعلم العلما، سید المفسرین، سند المتکلمین ، حافظ بخاری صدر مجلس علمائے اہل سنت حضرت خواجہ سید عبد الصمد چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس قصبے کو شرف بخشا، حضور حافظِ بخاری اپنے عہد کے زبردست عالم، بلند پایہ محقق، بے مثال مصنف اور باکمال خطیب تھے، دین کی دعوت و تبلیغ، باطل اور گمراہ فرقوں کا ابطال و تردید اُن کا خاص مشن تھا، آپ کے عہد میں پھپھوند شریف شیعیت کا مرکز تھا، اِسی لیے آپ نے اپنے بعض عقیدت مندوں کی گزارش پر اسلامی نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اپنے وطن سہسوان ضلع بدایوں سے ہجرت کر کے پھپھوند کو مستقل سکونت کا شرف بخشا۔ آپ کی مساعی جلیلہ سے پھپھوند شریف سے گمراہیت اور لا دینیت کا خاتمہ اور اہل سنت و جماعت کا بول بالا ہوا۔ آپ ہی کی ذات والا صفات سے منسوب آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف آج خلقِ خدا کی ہدایت کا عظیم مرکز اور روحانی فیوض و برکات کا سر چشمہ ہے۔ حضور حافظِ بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ مبارک سے اب تک ہر دور میں اس بافیض خانوادے سے پورے اخلاص کے ساتھ فرزندانِ اسلام کی ارشاد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا جا تا رہا ہے اور انشاء اللہ یہ مبارک سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت اور فرزندانِ قوم و ملت کو زیور علم سے آراستہ کرنے کے لیے آستانہ عالیہ صمدیہ کے احاطے میں ۱۳۹۹ھ میں صاحب سجادہ امام الکاملین، سید المتوکلین اکبر المشائخ حضرت علامہ الحاج سید محمد اکبر میاں چشتی رضی اللہ عنہ کے مقدس ہاتھوں سے حضور حافظ بخاری حضرت خواجہ عبد الصمد چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام نامی سے منسوب جامعہ صمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔ چند سالوں تک آستانہ عالیہ صمدیہ کے احاطے ہی میں جامعہ صمدیہ میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہا، جامعہ صمدیہ کے ابتدائی اساتذہ میں استاذ الاساتذہ، جامع معقول و منقول

حضرت علامہ مفتی رحمت اللہ صاحب عزیزی بلرام پوری دام ظلہ العالی، عالم جلیل حضرت علامہ مجاہد حسین رضوی مصباحی استاذ دار العلوم غریب نواز الہ آباد اور حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے نام خاص طور سے شامل ہیں۔

بانی جامعہ صمدیہ حضور اکبر المشائخ سید شاہ اکبر میاں چشتی رضی اللہ عنہ ایک عظیم خانقاہ کے شیخ طریقت اور ولی کامل ہونے کے ساتھ ایک زبردست عالمِ دین بھی تھے، ان کی حیات مبارکہ بڑی روشن اور تابناک ہے، وہ علم وعمل کے پیکر، سنت وشریعت کے پابند اور زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، توکل علی اللہ اُن کا خاص وصف تھا، ان کی حیات عشقِ رسول سے عبارت تھی، ان کی زندگی کے تابندہ نقوش آج بھی گم گشتگانِ راہ کے لیے مینارہ ہدایت ہیں، انھوں نے خانقاہ صمدیہ کے مسندِ ارشاد وہدایت پر جلوہ افروز ہوکر دین ومذہب کی جولازوال خدمات انجام دیں وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں بے پناہ مقبولیت عطا کی تھی، جو بھی ان کی زیارت کا شرف حاصل کرتا انھیں کا ہوکر رہ جاتا، وہ آستانہ عالیہ صمدیہ کے مسند ارشاد وہدایت پر بیٹھ کر لاکھوں افراد کے دلوں پر حکومت کیا کرتے تھے، اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود وہ نہایت سادہ مزاج اور عاجزی وانکساری کے پیکر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر دین کی حمیت کا کامل جذبہ ودیعت فرمایا تھا، وہ شرعی معاملات میں کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کرتے، انھوں نے پوری زندگی عزیمت پر عمل کیا۔ دین کی تبلیغ واشاعت ان کے نزدیک سب سے مقدم تھی، یہ وہ اوصاف ہیں جن پر بے شمار شواہد موجود ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ حضور اکبر المشائخ رضی اللہ عنہ علم اور علما سے حد درجہ محبت فرمایا کرتے تھے، آپ دین کی سرخروئی کے لیے اشاعتِ علم کو ازحد ضروری جانتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ جامعہ صمدیہ کو ایک عظیم دانش گاہ کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے، آپ کی خواہش تھی کہ جامعہ صمدیہ دین کا ایک عظیم قلعہ اور دینی تعلیم کی اشاعت کا ایک مثالی ادارہ ہو، اس لیے آپ نے ضرورت محسوس کی کہ جامعہ کو آستانہ عالیہ صمدیہ سے باہر ایک وسیع وعریض آراضی میں منتقل کیا جائے، قصبہ پھپھوند کے شمالی کنارے پر ایک وسیع آراضی پہلے ہی سے مدرسے کے لیے وقف تھی، ۱۹۸۹ء میں حضور اکبر المشائخ نے اپنے لائق فرزند مخدوم گرامی مرتبت حضرت مولانا سید محمد انور میاں چشتی دام ظلہ کو ادارے کی تمام تر ذمے داریاں سپرد کر کے اس وسیع آراضی پر اپنے دست اقدس سے جامعہ صمدیہ کی عمارت کی سنگ بنیاد رکھی، مخدوم گرامی

حضرت علامہ سید محمد انور میاں چشتی دام ظلہ اس سے قبل خانقاہ قادریہ بدایوں کے قدیم ادارہ مدرسہ قادریہ میں نظامت کی ذمے داریاں نبھا رہے تھے۔

اپنے والد ماجد کے حکم کے مطابق جامعہ صمدیہ کی تعمیر وتوسیع کے لیے آپ نے اس کی تمام تر ذمے داریاں اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ ابتدا میں شعبہ حفظ کا قیام ہوا، ایک چھپر کے نیچے حفظ کی تعلیم شروع ہوئی، کچھ عرصے بعد ۱۹۹۲ء میں وسیع فکر اور آفاقی نظریات کے حامل حضرت علامہ سید انور میاں دام ظلہ نے اورنگ آباد مہاراشٹر کے ایک ماہر اور تجربہ کار انجینیر جناب سید محمد احمد رزاقی صاحب سے جامعہ کی مجوزہ مختلف عمارتوں کا نقشہ اور ان کا ایک خوب صورت ماڈل تیار کرایا، اس نقشے میں رنگ بھرنے اور اس ماڈل کو زمین پر اتارنے کے لیے ۲۱ رسال قبل کا تخمینہ تین کڑور روپے تھا، جب مخدوم گرامی حضرت علامہ سید انور میاں نے اپنے اس منصوبے اور مجوزہ نقشے اور ماڈل کو لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اکثر لوگ اسے دیوانے کا خواب سمجھنے لگے، بظاہر حالات ایسے ہی تھے کہ بے سروسامانی کے عالم میں اور ایک پس ماندہ علاقے میں اتنا بڑا پروجیکٹ کس طرح تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے حضرت کے عزم و حوصلے کو سراہا، اور یقین دلایا کہ فضلِ الٰہی اور بانی جامعہ کی مخلصانہ دعاؤں کے سائے میں پیہم جد وجہد جاری رہی تو یہ خواب ضرور شرمندہ تعبیر ہوگا۔ بانی جامعہ حضور اکبر المشائخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرپرستی میں آپ نے جد وجہد شروع کی، تعمیری کام کا بھی آغاز ہو گیا، اب حفظ وقراءت کے ساتھ ساتھ درس نظامی کی تعلیم کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔ جامعہ کی صدارت کے لیے ایک ایسے معتمد عالم کی ضرورت تھی جو ادارے کے لیے مخلص ہونے کے ساتھ تمام تعلیمی ذمے داریوں کو بحسن و خوبی نجام دے سکیں، بانی جامعہ حضور اکبر المشائخ کی نظر انتخاب اپنے محبوب مرید وخلیفہ حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ پر ٹھہری۔ آپ ان دنوں دار العلوم افضل المدارس الہ آباد میں تدریس وافتا کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ یہیں آپ کے استاذ ومربی خاص حضرت علامہ مفتی رحمت اللہ صاحب بھی تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضور اکبر المشائخ نے دو افراد کو الہ آباد بھیج حضرت مفتی رحمت اللہ صاحب کے نام ایک دستی خط روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ آپ مفتی انفاس الحسن صاحب کو جامعہ صمدیہ کی خدمت کے لیے پھپھوند شریف بھیج دیں۔ دار العلوم افضل المدارس میں آپ کی مخلصانہ جد وجہد کے سبب ارباب حل وعقد کسی قیمت پر آپ کو ادارے سے

مستعفی ہونے دینا نہیں چاہتے تھے، لیکن آپ اپنے پیر و مرشد کے حکم کے مطابق دارالعلوم افضل المدارس کے مستعفی ہوکر جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف تشریف لائے، دارالعلوم افضل المدارس الہ آباد میں درس نظامی کی منتہی درجات کی کتابیں آپ کے زیر تدریس تھیں، جامعہ صمدیہ میں اس وقت ابتدائی درجات کی تعلیم ہوا کرتی تھی، آپ نے انہی ابتدائی درجات کے طلبہ کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ کی مخلصانہ کوششوں سے جامعہ صمدیہ میں تعلیم و تربیت کی ایک ایسی فضا قائم ہوئی کہ جامعہ کی تعلیم و تربیت اور عمدہ نظم و نسق کا شہرہ مختلف علاقوں میں پھیل گیا، طلبہ جوق در جوق جامعہ کا رخ کرنے لگے۔ جامعہ صمدیہ بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کرتا رہا۔ **الحمدلله** آج بھی جامعہ صمدیہ مخدوم گرامی حضرت علامہ سید محمد انور میاں صاحب قبلہ کی نظامت میں روز افزوں ترقی پذیر ہے، حضور اکبر المشائخ کے وصال کے بعد سے پیکر اخلاص و للّٰہیت مجاہد سنیت حضرت علامہ سید محمد اختر میاں چشتی دام ظلہ الاقدس صاحب سجادہ آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف جامعہ کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ ان مخلصین کی جد و جہد اور سعی پیہم کی وجہ سے اس وقت جامعہ صمدیہ مغربی یوپی میں تعلیم و تربیت کا عظیم گہوارہ اور اپنے عمدہ نظم و نسق کی وجہ سے امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔

جامعہ صمدیہ موجودہ دینی اداروں میں کئی جہتوں سے امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔
جامعہ صمدیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سید محمد انور میاں چشتی دام ظلہ اصول کے سخت پابند ہیں، اصولوں کے مقابلے میں وہ کسی مصلحت سے کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالتے، انھوں نے اپنے ادارے کے لیے جو قوانین وضع کیے ہیں اس پر سختی سے عامل ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جامعہ صمدیہ کے قیام کا مقصد فروغِ علم ہے، طلبہ دور دراز علاقوں سے اپنے خویش و اقارب کو چھوڑ کر دینی تعلیم کے حصول کے لیے ہی آتے ہیں۔ اس لیے تعلیم کی راہ میں آنے والی تمام رکاوٹوں کا سد باب ضروری ہے، اسی خیال سے انھوں نے جامعہ میں روز اول سے ہی یہ قانون نافذ کر دیا ہے کہ جامعہ کا کوئی طالب علم جامعہ سے باہر کسی قرآن خوانی یا فاتحہ وغیرہ میں شرکت کے لیے نہیں جا سکتا، نہ ہی کسی طالب علم کو قصبے کے کسی گھر میں ٹیوشن وغیرہ کے لیے جانے کی اجازت ہے۔ مدارس میں قرآن خوانی اور ٹیوشن کے رواج نے تعلیمی نقصان کے ساتھ طلبہ و علما کے وقار و اعتبار کو کتنا مجروح کیا ہے وہ کسی بھی صاحبِ عقل سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کا نظریہ ہے کہ طلبہ و اساتذہ

جب نائبِ رسول اور مہمان رسول ہیں تو ان کی رہائش، ان کے کھانے اور دیگر ضروریات کے لیے عمدہ سہولیات ہونے چاہیے، وہ چاہتے ہیں کہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ایک ایسی فضا میں سانس لیں جہاں ان کے اندر حد درجہ خود اعتمادی پیدا ہو، اسی لیے انھوں نے طلبہ و اساتذہ کے لیے عمدہ رہائش کا انتظام فرمایا ہے، تعلیم میں نقصان نہ ہو اس کے لیے رات میں گیارہ بجے تک جنریٹر کے ذریعہ روشنی کا معقول انتظام کیا گیا ہے۔

مخدوم گرامی مرتبت حضرت علامہ سید انور میاں چشتی دام ظلہ جامعہ صمدیہ کے ناظم و سربراہ ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جامعہ کی کل خدمات کا دار و مدار آپ ہی کی ذات پر ہے۔ الحمدللہ آپ خود بھی عالم و فاضل اور ایک تجربہ کار استاذ ہیں اس لیے علما و اساتذہ کی اہمیت خوب سمجھتے ہیں، جامعہ صمدیہ کے اساتذہ جس مقام و مرتبے کے مستحق ہیں اس سے کہیں زیادہ وہ نوازتے ہیں۔ اپنے اساتذہ و طلبہ کے ساتھ ایک شفیق باپ کی طرح برتاؤ ان کی فطرت ہے۔ معاملات میں شفافیت اور اصول پسندی ان کا طرہ امتیاز ہے۔ انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ کے تحت چلنے والے اداروں میں لاکھوں کا آمد و خرچ ہے، لیکن حساب و کتاب میں کہیں بھی کوئی پیچیدگی نہیں مل سکتی، ہر سال سالانہ عرسِ حافظ بخاری کے موقع پر سال بھر کے آمد و خرچ کا حساب قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

اپنے جامعہ کے اساتذہ و طلبہ کا ہر حال میں خیال اور ان کی قرار واقعی حیثیت کا لحاظ کوئی ان سے سیکھے۔ جامعہ صمدیہ کا ماہانہ خرچ لاکھوں میں ہے، تعمیری اخراجات اس پر مستزاد، لیکن آج تک کبھی بھی کسی استاذ کو چندے کے لیے نہیں بھیجا، اور نہ عام مدرسوں کی طرح کسی طالبِ علم کو رسید تھمائی۔ ان کا ماننا ہے کہ اساتذہ کا کام تعلیم و تدریس ہے نہ کہ چندے کی رسید لے کر اہل ثروت کی کوٹھیوں کا طواف، اخراجات کا سارا انتظام خود ہی دیکھتے ہیں لیکن کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی مدرس کی ایک مہینے کی تنخواہ بھی ادا کرنے میں ہفتہ عشرہ کی تاخیر ہوتی ہو، بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات قرض کی بھی نوبت آئی ہے، لیکن مقررہ وقت پر اساتذہ کو تنخواہ ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، بلکہ ضرورت کے وقت اساتذہ پیشگی تنخواہیں بھی لے لیا کرتے ہیں۔

جامعہ صمدیہ کے لیے آپ کی مخلصانہ جد و جہد اور ادارے کی تعمیر و ترقی کے لیے آپ کی جاں فشانیوں کا نتیجہ ہے کہ چودہ پندرہ برس قبل جس چھوٹے سے ادارے نے ایک جھونپڑی میں

درجہ حفظ کے چند طلبہ کی تعلیم سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا آج وہ معمولی ادارہ ایک معیاری درس گاہ کی شکل میں ایک وسیع وعریض سہ منزلہ عمارت میں منتقل ہو چکا ہے، اس وقت جامعہ صمدیہ میں درجہ حفظ و قراءت، درس نظامی (اعدادیہ تا فضیلت) کے علاوہ تخصص فی الفقہ کی بھی تعلیم ہو رہی ہے، حنفی دارالافتا سے قوم وملت کی دینی ومذہبی مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے، حضرت امام غزالی کمپیوٹر ٹریننگ سینٹر سے قوم کے نونہالوں کو جدید ٹکنالوجی آگاہ کیا جارہا ہے، خواجہ بندہ نواز سیمینار ہال میں اربابِ علم ودانش اکٹھا ہوکر قوم کے سلگتے ہوئے مسائل پر غور وخوض کرتے ہیں، ایک وسیع وعریض ہال میں تاج الفحول لائبریری تشنگان علوم وفنون کی تسکین کا باعث ہے۔ طالبان علوم نبویہ کی ایک بڑی جماعت ہے، ذی صلاحیت، متحرک اور فعال اساتذہ کی ایک ٹیم ہے، معیاری تعلیم اور عمدہ نظم نسق ہے، یہ ساری بہاریں آپ ہی کے دم قدم سے ہیں۔ ادارے کی تعمیر وترقی کے لیے آپ ہمیشہ کوشاں وسر گراں رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فکر رسا سے نوازا ہے، آپ کا منشا یہ ہے جامعہ صمدیہ ایک ایسا مثالی ادارہ ہو جس کا ہر فارغ دین کا سچا خادم بنے، تعلیم کے ساتھ تربیت کے زیور سے بھی آراستہ ہو، علم کے ساتھ عمل کا بھی خوگر ہو، آپ اکثر جامعہ کے صدر المدرسین وشیخ الحدیث حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ سے فرمایا کرتے ہیں کہ میرا مقصد طلبہ کی بھیڑ اکٹھا کرنا نہیں ہے، جامعہ میں چند ہی طلبہ کیوں نہ ہوں لیکن انہیں علم کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی پیکر ہونا چاہیے۔

انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ کا قیام: دینی تعلیم کی اشاعت اور وسیع پیمانے پر دین کی دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دینے کے لیے ۱۹۹۳ء میں آستانہ عالیہ صمدیہ کے زیر اہتمام انجمن چشتیہ صمدیہ مصباحیہ (رجسٹرڈ) کا قیام عمل میں آیا۔ اس انجمن کے زیر اہتمام دین کی بڑی اہم خدمات انجام پائیں جن کی تفصیل مستقل مضمون کا متقاضی ہے۔ فی الوقت انجمن کے زیر انتظام درج ذیل ادارے تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

۱۔ جامعہ صمدیہ ۲۔ فیوض صمدیہ ہائی اسکول ۳۔ فیوض صمدیہ جونیر ہائی اسکول ۴۔ مکتب اسلامیہ صمدیہ

ذیل کے سطور میں صرف جامعہ صمدیہ کے مختلف شعبوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

جامعہ کے مختلف شعبوں کا تعارف

شعبہ درس نظامی: جامعہ میں درس نظامی (اعدادیہ تا فضیلت) کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس وقت اس شعبے میں تقریبا ۲۵۰/ طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ ۱۲/ باصلاحیت اور نوجوان اساتذہ طلبہ کی عمدہ تعلیم وتربیت کے لیے ہمہ تن مصروف عمل رہتے ہیں۔ طلبہ کی عمدہ تعلیم اور ان کی شخصیت کو نکھارنے کے لیے ایک جامع نصاب تعلیم تیار کیا گیا ہے جو قران، تفسیر، فقہ، اصولِ فقہ، حدیث اصول ِحدیث، کلام، بلاغت، منطق، حکمت، عربی ادب، اردو ادب، تاریخ، سائنس اور انگریزی وغیرہ فنون کو محیط ہے۔ تعلیم کو موثر اور طلبہ کے اندر مقابلہ جاتی جوش وخروش پیدا کرنے کے لیے سالانہ و شش ماہی امتحانات کا انعقاد پورے اہتمام اور نظم ونسق کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ امتحانی ضوابط پر پوری دیانت داری کے ساتھ عمل کرتے ہوئے انہی طلبہ کو ترقی دی جاتی ہے جو امتحان میں مقررہ فیصد حاصل کرنے میں کام یاب ہوتے ہیں۔ درسِ نظامی کے جدید طلبہ کو داخلے کے لیے ماہ شوال کی ۱۴/۱۵ تاریخ کو امتحان داخلہ میں شرکت کر کے کامیابی حاصل کرنی پڑتی ہے۔ امتحانِ داخلہ میں کمیت کے بجائے کیفیت پر توجہ دی جاتی ہے۔ وہی طلبہ داخلے کے مستحق قرار پاتے ہیں جو جامعہ کے مطلوبہ معیار کو پورا کرتے ہوں۔ طلبہ کے اندر تحریری وتقریری شعور بیدار کرنے کے لیے سالانہ تحریری وتقریری انعامی مقابلے کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں ملک کے معروف علما ودانش وران بحیثیت فیصل شرکت فرماتے ہیں، اب تک اس شعبے سے ۱۵ فضلا فارغ ہوکر ملک کے مختلف علاقوں میں دین وسنیت کی تبلیغ واشاعت میں مصروف عمل ہیں۔

شعبہ تربیت افتا:

۲۰۰۹ء میں جامعہ صمدیہ میں باضابطہ تربیت افتا کا قیام عمل میں آیا۔ جس میں اہلِ سنت کے کسی معتمد ادارے سے اعلیٰ پوزیشن کے فارغین کو داخلہ کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس شعبے کی پوری نگرانی جامعہ صمدیہ کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ فرمایا کرتے ہیں۔ تربیتِ افتا کے اس دو سالہ کورس میں طلبہ کو فتوی نویسی کے اصول وآداب بتائے جاتے ہیں۔ فقہ اصول فقہ اور خصوصاً فتاویٰ کی کتابوں کا مطالعہ کرایا جاتا ہے اور خاص طور سے فتویٰ نویسی کی مشق پر توجہ دی جاتی ہے۔ اس شعبے میں اتنے ہی طلبہ کا داخلہ لیا جاتا ہے جن کی صحیح تربیت اور نگہ داشت ہو سکے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ دینی وتبلیغی مصروفیات اور ادارے کی تمام تر ذمے داریوں کے باوجود تربیت افتا کے طلبہ کو خاطر خواہ وقت دیتے ہیں۔ فتاویٰ کی تصحیح کے لیے دو

گھنٹیاں مختص ہیں، لیکن آپ دیگر اوقات میں بھی نہایت اخلاص اور لگن کے ساتھ گھنٹوں ان طلبہ کے فتاوی کی تصحیح میں مصروف نظر آتے ہیں۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دو سالہ کورس میں طلبہ اس لائق ہو جائیں کہ قوم کی دینی و شرعی ضرورتوں کو صحیح طور پر پوری کر سکیں۔

شعبہ حفظ و قراءت:

جامعہ کا ایک اہم شعبہ ہے،، اس سال اس شعبے میں تقریبا سو طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ چار حفاظ ایک قاری ان کی تعلیم اور نگہداشت پر مامور ہیں، جو صبح و شام ان کی نگرانی بڑے اخلاص و لگن کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ طلبہ کو حفظ با تجوید کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قاری صاحب کے یہاں ان طلبہ کی باضابطہ ایک گھنٹی ہوتی جس میں ترتیل تدویر اور حدر کے ساتھ قراءت کے ضروری قواعد مقررہ نصاب کے مطابق سکھائے جاتے ہیں، شعبہ حفظ کا بھی باضابطہ شش ماہی و سالانہ امتحان ہوتا ہے۔ درس نظامی کے درجہ رابعہ اور خامسہ کے طلبہ کو لازمی طور پر دو سالہ قراءت کا کورس مکمل کرایا جاتا ہے۔

ان تمام شعبوں کے فارغین کی تعداد کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ تربیت افتا ۸ ۲۔ فضیلت ۱۵ ۳ عالمیت ۴۳ ۴۔ حفظ ۱۳۰

۵۔ شعبہ قراءت ۶۶

شعبہ کمپیوٹر: طالبان علوم اسلامیہ کو دینی و مذہبی تعلیم کے ساتھ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اب تین سال قبل حضرت امام غزالی کمپیوٹر سینٹر کا قیام عمل میں آیا، اس شعبے میں درس نظامی کے درجہ خامسہ سے درجہ فضیلت تک کے طلبہ کو .A.D.C.A اور D.T.P کورس مکمل کرائے جانے کے ساتھ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے ضروری استفادے کا طریقہ سکھایا جاتا ہے۔

حنفی دارالافتا:

جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کا ایک اہم شعبہ افتا کا بھی ہے جس کے ذریعہ پورے علاقے کی دینی و شرعی ضرورتوں کو پورا کیا جاتا ہے۔ دارالافتا میں مختلف علاقوں سے استفتے آتے ہیں جن کے جوابات جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ العالی قرآن و حدیث کی روشنی میں دیا کرتے ہیں۔ دارالافتا میں مسلمانوں کے شرعی و دینی معاملات پیش کیے جاتے ہیں اور حضرت مفتی صاحب ان کا فیصلہ اسلامی قوانین کی روشنی میں فرمایا کرتے ہیں۔ جامعہ صمدیہ کا دارالافتا مغربی اتر پردیش کا معتمد و معتبر دارالافتا سمجھا جاتا ہے۔ جامعہ صمدیہ کا

یہ شعبہ قوم و ملت کی دینی و مذہبی ضرورتوں کی تکمیل کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

تاج الفحول لائبریری:

کسی بھی ادارے میں علمی و تحقیقی کام کرنے کے لیے مختلف علوم و فنو کی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہونا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جامعہ صمدیہ میں ایک عظیم لائبریری کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ جامعہ کے ناظم اعلیٰ مخدوم گرامی حضرت مولانا سید انور میاں چشتی دام ظلہ ذاتی طور بھی مطالعہ کتب کے عادی ہیں، اسی ذوق نے انھیں جامعہ میں ایک عظیم الشان لائبریری کے قیام کے لیے خاص طور سے مہمیز کیا، جامعہ کی مرکزی بلڈنگ کی دوسری منزل میں 85x20 کے ایک ہال کو لائبریری کے لیے مختص کیا، تاج الفحول لائبریری کے اس حال میں چار چار خانوں پر مشتمل ۹۲ رالماریاں ہیں۔ جامعہ کی لائبریری میں پہلے ہی سے مختلف علوم و فنون کی معتد بہ کتابیں موجود تھیں، تاج الفحول لائبریری کے قیام کے بعد مزید کتابوں کی فراہمی کا کام بڑی تیزی سے کیا جا رہا ہے۔

جامعہ کی تعمیری سرگرمیاں:

جامعہ صمدیہ کی مختلف عمارتوں کا تعمیری کام جاری ہے، جامعہ کی سہ منزلہ مرکزی بلڈنگ کی تعمیر تکمیل کے قریب ہے، عظیم الشان خواجہ بندہ نواز سیمینار ہال کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ ڈائننگ ہال اور مطبخ کی تعمیر کا کام جاری ہے، طلبہ کی رہائش کے لیے علاحدہ ہاسٹل کا نقشہ بن کر آ چکا ہے۔ مہمان خانہ، اساتذہ کی فیملی کالونی کی تعمیر کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بھی جد و جہد کی جا رہی ہے۔

جامعہ کے مختلف شعبوں کے سالانہ اخراجات تقریبا ۴۵ ر لاکھ ہیں، تعمیرات کے اخراجات اس کے علاوہ ہیں۔ یہ سارے اخراجات فرزندانِ توحید کے عطیات سے پورے ہوتے ہیں، جامعہ کا کوئی سفیر بھی نہیں اور نہ ہی کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ ہے۔ جامعہ کے سربراہ اعلیٰ مخدوم گرامی حضرت علامہ سید انور میاں صاحب قبلہ اپنی شب و روز کی محنتوں سے اس پورے بجٹ کا انتظام فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور جامعہ کو بے پناہ ترقی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

راقم: محمد ساجد رضا مصباحی — ۱۱ر جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ

خادم تدریس جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف — ۱۱ر مارچ ۲۰۱۵ء روز شنبہ

تاثرات

حضرت علامہ الحاج سید محمد انور چشتی دام ظلہ

ناظم اعلیٰ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

''مقالاتِ جامعہ صمدیہ'' مختلف موضوعات پر ۲۷ ؍عمدہ تحریروں کا مجموعہ ہے، جن کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ طلبہ نے ان مقالات کی تیاری میں کافی محنت ومشقت سے کام لیا ہے۔ موضوعات کے انتخاب میں بھی تنوع ہے۔ اسلامیات، سیرت، سوانح، اصلاح، موعظت کے ساتھ کئی تحقیقی مقالے بھی اس مجموعے میں شامل ہیں۔ جامعہ صمدیہ کے طلبہ کی اس پیش رفت پر مجھے دلی مسرت ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ بھی طلبہ اس سلسلے کو جاری رکھیں گے۔
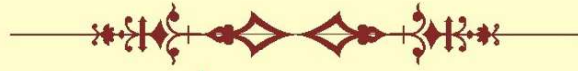
حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ

شیخ الحدیث جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

امسال درجہ سادسہ کے طلبہ نے اپنی دستار عالمیت کے موقع پر اپنے لکھے ہوئے مقالات کی اشاعت کا منصوبہ بنایا، جو بڑی مسرت کی بات ہے۔ طلبہ کے لکھے ہوئے ۲۷ ؍مقالات اس مجموعے میں شامل ہیں۔ ان مقالات میں طلبہ نے اپنی بساط کے مطابق مافی الضمیر کو قارئین تک پہنچانے کی اچھی کوشش کی ہے۔ زمانہ طالب علمی میں اس طرح کے کاموں کے لیے اپنے اندر حوصلہ پیدا کرنا بڑی بات ہے، طالب علمی کا زمانہ مشق وممارست کا ہوتا ہے، یہ طلبہ تحریر وقلم کے میدان میں نو وارد اور نو آموز ہیں، پھر بھی عہد طالب علمی ہی میں مقالے تحریر کرنا اور ان کی اشاعت کا حوصلہ کرنا یقیناً ان طلبہ کے خوش آئند مستقبل کا غماز ہے۔

JAMIA SAMADIA

PHAPHUND SHAREEF, DISTT.AURAIYA UP 206247

PHONE.05683-240162, Mob.9473927746

E-mail. jamiasamadia@gmail.com